زندگی میرے لئے
گنبدِ بے در ٹھہری

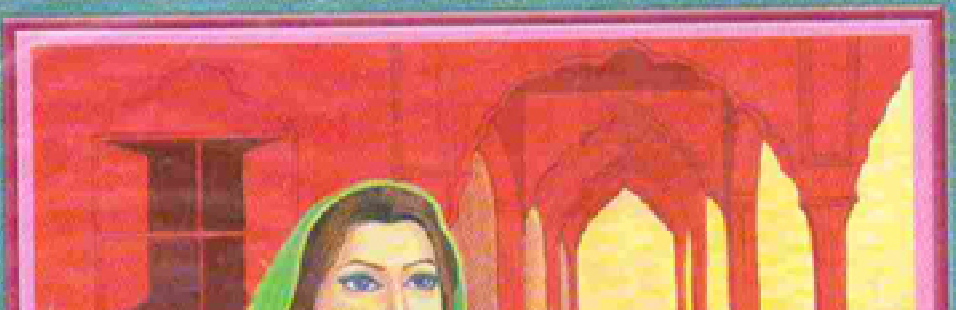

ہما کوکب بخاری

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اول ———— ۲۰۰۹ء
مطبع ———— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ———— عاطف کمپوزر۔ لاہور
قیمت ———— ۱۵۰ روپے

زندگی میرے لئے گنبدِ بے در ٹھری......

وہ عورت نہیں ہے کیونکہ عورت تو پاکیزگی اور تقدس کا دوسرا نام ہے، ہاں وہ عورت نہیں ہے۔ وہ تو صرف طوائف ہے، طوائف۔ کتنا زہریلا لفظ ہے طوائف۔ وجود کو اندر تک کاٹ دینے والا، ریزہ ریزہ کر دینے والا، عورت خواہ مخواہ ہی اعتبار کی حد پھلانگ کر بے اعتباری کی حد میں جا داخل ہوتی ہے، پھر وہ چاہے کچھ کر لے، سب سے بے نیاز ہو کر محبت اور وفا کی راہوں پر جتنا آگے بڑھ جائے، یہ ایک لیبل اسے واپس اسی کوٹھے پر دھکیل دیتا ہے جہاں سے پیچھا چھڑا کر وہ آتی ہے۔"

ایک نوخیز طوائف کی دلگداز کہانی، وہ عزت کی زندگی جینا چاہتی تھی۔

ISBN 978-969-517-270-4

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

کدھر جا رہی ہے، کہاں جا رہی ہے؟
حیات اندھے ماضی کی انگلی پکڑ کر
کدھر لے چلی ہے، کہاں لے چلی ہے؟
غمِ دل کی زنجیر مجھ کو جکڑ کر!

کسی انجمن میں بھی جانا عبث ہے
کوئی سی بھی محفل سجانا عبث ہے

یہ ڈھلتی ہوئی شب
یہ خوابوں میں کھویا ہوا آخری پہر کس کا ہوا ہے؟
یہ بے رحم گلیاں، یہ بے مہر سڑکیں
یہ سویا ہوا شہر، کس کا ہوا ہے؟

صدا دے کے اس کو جگانا عبث ہے
کسی گھر، کسی در پہ جانا عبث ہے

یہ گہری اداسی ہے مدت سے پیاسی
مرے ذہن و دل کی، میرے جسم و جاں کی

اِسے آنسوؤں سے بجھانا عبث ہے
ستارے زمیں پر لٹانا عبث ہے

کہیں کچھ ملے، کوئی دیوار ٹوٹے
کوئی روشنی غم کے اس پار پھوٹے
تو شاید یہ دل قیدِ ظلمت سے چھوٹے

وگرنہ یہ سیرِ شبانہ عبث ہے!
یہ ہر گام یوں ڈگمگانا عبث ہے

نگار نے آنکھیں موندلیں۔ ''دلِ وحشی کا ماتم کب تک؟ ساعتِ گریز پا کی آرزو کب تک؟ لاحاصل کی تلاش کب تک؟ وہ عورت نہیں ہے کیونکہ عورت تو پاکیزگی اور تقدس کا دوسرا نام ہے، ہاں وہ عورت نہیں ہے۔ وہ تو صرف طوائف ہے، طوائف۔ کتنا زہریلا لفظ ہے طوائف۔ وجود کو اندر تک کاٹ دینے والا، ریزہ ریزہ کر دینے والا، عورت خواہ مخواہ ہی اعتبار کی حد پھلانگ کر بےاعتباری کی حد میں جا داخل ہوتی ہے، پھر وہ جا ہے کچھ کر لے، سب سے بے نیاز ہو کر محبت اور وفا کی راہوں پر جتنا آگے بڑھ جائے، یہ ایک لیبل اسے واپس اس کوٹھے پر دھکیل دیتا ہے جہاں سے پیچھا چھڑا کر وہ آتی ہے۔''

وہ اٹھ کر کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی، رات اپنے عروج پر تھی، گلی کے ہر کوٹھے پر رونق تھی، طبلے اور پازیبوں کی مدھر آوازیں خنک رات کے اندھیرے میں کہیں تحلیل ہو رہی تھیں، موتیے کی خوشبو فضا میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ کسی نے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی، نگار نے مڑ کر بند دروازے کو دیکھا، جو آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ زمرد بائی نے اندر آ کر ایک نظر کمرے کا جائزہ لیا، جیسے کمرے کی بوجھل فضا سے نگار کی سوچوں کا اندازہ لگانا چاہ رہی ہوں۔

''کھڑکی بند کرو۔ اتنی ٹھنڈی ہوا میں کاہے کو کھڑی ہو۔'' پھر انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی۔ ''رات بہت بیت گئی ہے، چلو جلدی سے سو جاؤ۔'' انہوں نے زبردستی نگار کو مسہری پر دھکیلا۔

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔ ''اماں یہاں کی زندگی اور روزی روٹی اس رات سے تو وابستہ ہے، جتنی یہ بھیگے گی اتنا ہی جادو بڑھے گا۔ یہاں تو سونے کے لیے دن ہوتا ہے۔''

''کل چوہدری سلطان بخش نے آنے کو کہا ہے، انہیں کیا جواب دوں۔'' زمرد بائی نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

''جیسا آپ چاہیں گی۔ ویسا ہی ہوگا۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور کمبل منہ پر رکھ لیا۔

☆======☆======☆

فیروزی رنگ کے پیور سلک کے سوٹ میں ملبوس، سر پر کامدار دوپٹے کا آنچل ڈالے آج تمکین بے حد پیاری لگ رہی تھی اور خوش بھی۔ یہ خوشی اس کی ہر ہر بات، ہر انداز سے ہویدا تھی۔ وہ اسے جتنا چھپانے کی کوشش کرتی، جتنا سمٹتی، وہ اتنا ہی ظاہر ہوتی۔

''اللہ تعالیٰ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔'' امی نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ ''چلو اب، مہمان آ چکے ہیں۔''

وہ رباب اور صوفیہ کے ساتھ نگاہیں نیچی کیے ڈرائینگ روم میں پہنچی۔ صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے اس نے کن انکھیوں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ زین اس کے مقابل والے صوفے پر بیٹھا دلچسپی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، تمکین نے گھبرا کر نگاہیں چرا لیں۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی، اتنے بہت سے لوگ اس کی طرف متوجہ تھے، پہلے بھی وہ اتنے بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتی رہی تھی، لیکن اس طرح دلہن بنے ہوئے نہیں، اس لیے کنفیوز ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد منگنی کی تقریب شروع ہوئی۔ زین کی امی نے انگوٹھی کی ڈبیا اس کی جانب بڑھائی، انگوٹھی نکال کر وہ تمکین کی طرف بڑھا، کیمرے تیار ہو گئے، تمکین کو صرف زین کے قدم نظر آ رہے تھے، جو لمحہ بہ لمحہ قریب تر ہو رہے تھے پھر وہ قدم رک گئے، زین نے تمکین کا ہاتھ تھاما۔

''تمکین اتنی آسانی سے انگوٹھی نہیں پہنتی۔'' رباب چیخی۔

''ہاں، کچھ تنگ تو کرو۔'' صفیہ نے بھی اسے شہہ دی۔ ''جب تک تنگ نہیں کرو گی، انہیں تمہاری قدر و قیمت کا اندازہ بالکل نہیں ہوگا۔''

تمکین نے ان کی بات سن کر ایک دم مٹھی بند کر لی۔ سب ہی ہنس پڑے۔ زین نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی پہنانے کی کوشش کی، لیکن تمکین نے دوبارہ مٹھی بند کر لی، رباب اور صفیہ کا قہقہہ بلند ہوا۔ تمکین نے بمشکل تمام ہونٹ کاٹ کر اپنی ہنسی روکی۔

''مجھے لگتا ہے، تھوڑی سی زبردستی کرنی پڑے گی۔'' زین نے خوشدلی سے کہا، اور مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

''اُف!'' تمکین کے منہ سے سسکی سی نکلی۔

اس مرتبہ پھر اس نے پرانی حرکت دہرانے کی کوشش کی تھی، لیکن زین نے اسے مٹھی بند نہیں کرنے دی، اور اسی کشمکش میں تمکین کے لمبے ناخن نے زین کے ہاتھ کی پشت پر اچھا خاصا زخم کر ڈالا۔

''کوئی بات نہیں۔'' زین نے آہستگی سے کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اپنے کمرے میں واپس جاتے ہوئے وہ زین کے ہاتھ کا لمس اپنے ہاتھ پر محسوس کر رہی تھی۔

''بڑے دلیر ہیں تمہارے ہونے والے وہ۔'' رباب نے اسے چھیڑا۔ ''اتنے مزے سے زبردستی انگوٹھی پہنا دی۔''

''حالانکہ سماج کی تمام ظالم دیواریں بھی وہاں موجود تھیں۔'' صوفیہ نے ٹکڑا لگایا۔

''مجھے تو مرزا اور راجہ پرتھوی کے جانشین لگتے ہیں تمہارے یہ ہونے والے صاحب بہادر۔''

''آہستہ!'' تمکین نے دوپٹہ اتار کر تہہ کرتے ہوئے کہا۔ ''امی نے سن لیا تو ایک مرتبہ پھر شجرہ کھول کر بیٹھ جائیں گی ان کا۔ کہ ہم تو بیٹی نجیب الطرفین خاندان میں بیاہنے چلے تھے، یہ مرزا اور راجہ پرتھوی کے خاندان کے ساتھ جوڑ کہاں سے آ گیا۔''

''اب شادی کے کیا ارادے ہیں؟''

''وہ ہماری اور ہماری نند کی اکٹھی ہوگی۔'' وہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔ ''اور ہماری نند کے منگیتر جاپان گئے ہوئے ہیں۔ بس سمجھو چھ ایک مہینے کی بات ہے، جیسے ہی وہ واپس آئے، ساتھ ہی شادی ہو جائے گی۔''

''چلو اچھا ہے، اتنا وقت ملنا چاہیے تیاری کے لیے۔'' صوفیہ نے کہا۔

''تیاری کیا کرنی ہے، سب کچھ بنا پڑا ہے، امی تو ایک گھنٹے کے نوٹس پر میری شادی کر سکتی ہیں۔''

''تو پھر چھ مہینے تک آرام کرو خوب کھاؤ پیو، عیش کرو، اور روزانہ زین بھائی سے فون پر باتیں کیا کرو۔'' رباب نے مشورہ دیا۔

''ہائے کس دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔'' تمکین نے مصنوعی آہ بھری۔ ''میری تو کوئی چھوٹی بہن ہی نہیں ہے جو میرے کام آئے، اسی طرح جیسے میں سمیعہ آپا اور اسما کے کام آیا کرتی تھی۔''

''یار، ہم کس لیے ہیں، حکم کرو ابھی حاضر کر دیتے ہیں تمہارے صاحب بہادر کو تمہارے حضور۔'' صوفیہ نے ایسے کہا جیسے سچ مچ زین کا ہاتھ پکڑ کر اسے تمکین کے پاس لانے کا ارادہ رکھتی ہو۔

''نہیں، الہٰ دین کے چراغ کے جن۔ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' تمکین نے جلدی سے کہا۔

''ویسے ایک بات ہے یار!'' صوفیہ بولی۔ ''زین بھائی ہیں بڑی زبردست چیز۔''

تمکین ہنس پڑی۔

اس کی زین سے پہلی ملاقات بہت سرسری تھی۔ کتنی دیر سے اس نے مُنو کو پیاز لانے مارکیٹ بھیجا ہوا تھا لیکن موٹر سائیکل مُنو کے ہاتھ لگے اور وہ جلدی واپس آ جائے، ایسا سوچنا ہی حماقت تھی، ابھی وہ پیاز کے آنے کا انتظار ہی کر رہی تھی کہ گیٹ کی گھنٹی بجی۔ وہ اپنی چھوٹی سی پونی جھلاتی گیٹ کی طرف بھاگی۔

''منو کے بچے آج تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے۔ اتنی دیر پیاز لانے میں کی، یا وہاں مسئلہ کشمیر حل کرنے میں مصروف......'' لیکن اس کی بات منہ ہی میں رہ گئی۔

گیٹ کے سامنے ایک سفید ٹیوٹا کریسڈا کھڑی ہوئی تھی، اور لیمپ پوسٹ کی زرد روشنی تلے ایک اجنبی ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا، ایک لمحے کے لیے وہ جھجک کر رک گئی۔

''جی!'' اس نے گیٹ کھولے بغیر پوچھا۔

''نقوی صاحب سے ملنا تھا۔''

''آپ؟'' اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''زین العابدین۔'' وہ بولا۔ ''مجھے ظفر صاحب نے کچھ چیزیں دی تھیں پہنچانے کے لیے۔''

''ظفر بھائی نے؟ ایک منٹ۔'' وہ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر اندر بھاگی۔

''ابو جی! کوئی بندہ آیا ہے آپ سے ملنے، کہہ رہا ہے، کہ ظفر بھائی نے کچھ چیزیں بھجوائی ہیں۔''

''اوہ ہاں! یاد آیا۔'' ابو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ''ظفر نے مجھے فون کیا تھا آج صبح۔ کہہ رہا تھا کہ اس کا دوست زین العابدین کچھ چیزیں لے کر آئے گا۔''

پیاز پر تمکین نے اگلے ایک گھنٹہ کے لیے پھر فاتحہ پڑھی اور نووارد کے لیے چائے تیار کرنے لگی۔

''وہ کباب پڑے ہیں فریزر میں، تل لینا۔'' امی نے کچن میں جھانکا۔ ''اور وہ جو تم نے کیک بنایا تھا وہ بھی رکھ دینا۔''

''وہ تو میں نے منو کے لیے بنایا تھا۔''

''اس نے کون سا سارا ٹھونس جانا ہے۔ ایک آدھ پیس کوئی دوسرا لے لے گا تو منو کے پیٹ میں درد نہیں ہو جائے گا۔''

''شور کرے گا وہ۔'' تمکین نے وارننگ دی۔

''پڑا کرتا رہے۔'' پھر مڑتے مڑتے امی کو خیال آیا۔ ''اور کچھ پکوڑے بھی بنا دو۔''

''امی! لگتا ہے، آپ کا مہمان بہت پیٹو ہے۔''

''کمال کرتی ہو تم بھی، ظفر کا دوست ہے اور اس کی سسرال آیا ہے تو کیا سوکھے منہ ہی چلتا کر دوں اسے۔'' امی نے اس کو گھورا۔ ''کیا سوچے گا کہ اچھی سسرال ہے ظفر کی۔'' پھر امی اس کے قریب سرک آئیں۔ ''ظفر کی شادی اس کی بہن سے ہو رہی ہے۔''

اظہر تمکین کی سمیعہ آپا کا دیور اور ظفر بھائی کا چھوٹا بھائی تھا۔

''کس کی بہن سے؟'' اس نے بیسن گھولتے ہوئے پوچھا۔

''اسی زین کی بہن سے۔''

''اچھا!'' تمکین نے سر ہلایا۔

''تم چیزیں تیار کر کے مجھے بتا دینا، میں لے جاؤں گی۔'' یہ کہہ کر امی ڈرائنگ روم میں چلی گئیں اور وہ جلدی جلدی سے پکوڑے تلنے لگی۔

اور پھر اگلے دن سے کراچی اور لاہور کے درمیان ہاٹ لائن چلنے لگی۔ اچانک ہی اور ظفر بھائی کو امی اور ابو سے ضروری کام یاد آنے لگے تھے، شروع میں تو تمکین نے کچھ ایسی پرواہ نہیں کی، لیکن پھر اس کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

''دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔'' اس نے مونگ کی دال صاف کرتے ہوئے منو کے سامنے اعلان کیا۔

''تو نکال باہر کریں، دال بھی آپ کے سامنے ہے اور کالا بھی۔'' منو نے عینک کے اوپر سے جھانکا۔

''مجھے لگتا ہے، کوئی خاص ہی کھچڑی پک رہی ہے۔'' وہ پھر بولی۔

''ظاہر ہے، ماں دولت کے پیٹ میں درد ہے، اصولاً خاص کھچڑی ہی پکنی چاہیے۔''

''تمہارا تو دماغ بالکل ہی الٹ گیا ہے۔'' تمکین نے اسے گھورا۔

''میرے لیے یہ خاصا تکلیف دہ انکشاف ہے لیکن آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ

میرے متعلق اتنی غیر پارلیمانی زبان کیوں استعمال کر رہی ہیں۔"

"میں نہ اس دال کی بات کر رہی ہوں جس کے کالے میں ابھی نکال رہی ہوں اور نہ اس کھچڑی کی جو اب تک عدم سے وجود میں تشریف نہیں لائی۔"

"تو پھر وضاحت کریں کہ آپ کا اشارہ کس کھچڑی کی طرف ہے؟"

"وہ جو پچھلے چند دنوں سے امی، ابو کے کمرے میں پک رہی ہے۔"

مُنو نے ایسے سر ہلایا جیسے بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہو۔"وضاحت کریں کہ اس کھچڑی میں چمچ کون چلا رہا ہے؟"

"بہت کوڑھ مغز ہو تم۔"

"بجو! آپ ایک مرتبہ پھر غیر پارلیمانی زبان کے استعمال کے جرم کی مرتکب ہوئی ہیں، یعنی میرے کمرے میں بیٹھ کر، میری رضائی میں گھس کر، آپ میرے ہی خلاف شرانگیز پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔"مُنو چلایا۔

"یہ شرانگیز پروپیگنڈا یا ڈس انفارمیشن مہم نہیں ہے، یہ حقیقت ہے۔"تمکین بولی۔

"بھئی صاف ظاہر ہے کہ چمچ چلا رہے ہیں ظفر بھائی اور سمیعہ آپا۔ اب آیا عقل شریف میں کچھ۔"

"آ گیا، بالکل آ گیا۔"مُنو نے سر ہلایا۔

"اب بولو، میں کوئی شرانگیز پروپیگنڈا کر رہی ہوں یا تم ہو ہی کوڑھ مغز۔"تمکین ہنسی۔

"میں آپ کی تمام تر اشتعال انگیز باتوں کو پی رہا ہوں۔"مُنو نے بلیک کافی کا گھونٹ بھرا۔"اب یہ بتائیں کہ میں اس سخت غیر پارلیمانی اور ناقابلِ اشاعت قسم کے لیبل کو خود پر سے ہٹانے کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"یہ ہوئی ناں بات۔"تمکین خوش ہو گئی۔"اگر تم یہ پتا لگا لو کہ امی ابو کے کمرے میں آخر کھچڑی کیا پک رہی ہے تو میں سمجھوں گی، کہ تم بالکل کوڑھ مغز نہیں ہو۔"

"لیں، یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"مُنو نے کافی کے آخری چند گھونٹ جلدی جلدی حلق میں انڈیلے اور اٹھ کھڑا ہوا۔"میں امی ابو کی کھچڑی کا پتا کرتا ہوں اور آپ جلدی سے میرے لیے کھچڑی تیار کریں۔ قسم سے بڑا درد ہے پیٹ میں۔"

اور پھر ایک گھنٹے میں مُنو تمام تر تفصیلات کے ساتھ اس کے سامنے کچن میں موجود تھا۔

"اب مان جائیں بجو میں کسی سراغرساں سے کم نہیں ہوں۔"

"اتنی جلدی پتا لگا آئے۔"تمکین نے کھچڑی میں چمچ چلاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"بات صرف اتنی ہے کہ بندے کو اپنی آنکھیں، ناک، کان کھلے رکھنے چاہئیں۔ دُم ہمیشہ اٹھا کر رکھنی چاہیے۔ ساری گتھیاں خود ہی سلجھ جاتی ہیں۔"

"اب جلدی سے بتاؤ، تھیلے سے کون سی بلی برآمد ہوئی ہے۔"

"آپ سنیں گی تو دل میں لڈو کیا مٹھائی کی پوری دکان پھوٹنے لگے گی۔ یعنی ہر طرف برفیاں ناچنے لگیں گی، رس گلے رقص کریں گے، گلاب جامن جمناسٹک کریں گے، سوہن حلوے کے باغ اُگیں گے اور بجو آپ رس ملائی میں ڈبکی لگا دیں گی۔"

"ایسی کیا خاص بات ہو گئی۔"تمکین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ذرا منہ تو میٹھا کرائیں۔ پھر بتاؤں گا۔"

"یہ لو۔"تمکین نے چمچ بھر کر چینی اس کے منہ میں ڈالی۔

"بس سمجھ لیں آپ کے لیے خطرے کے سائرن بج رہے ہیں۔"مُنو کچر کچر چینی چباتا ہوا بولا۔

"یعنی تم نے میرے خطرے کے سائرن کی خوشی میں چینی پھانکی ہے؟"تمکین نے اسے گھورا۔

"ارے نہیں۔ یہ تو میں نے اس خوشی میں پھانکی ہے کہ آپ کے جانے کے بعد اس گھر پر میرا راج ہوگا، مجھے کپڑے ڈرائنگ روم کے صوفوں پر پھینکنے سے روکنے والا کوئی

نہیں ہوگا۔ میں بغیر کسی ڈر خوف کے ڈائننگ ٹیبل پر کتابیں بکھیر سکوں گا۔ آہا کیسا حسین وقت ہوگا، کوئی زبردستی صبح شام دودھ کا گلاس نہیں پلوائے گا، کھانے میں زبردستی سلاد نہیں ٹھونسنا پڑے گا، کمرہ گندا کرنے پر کسی کی ڈانٹ نہیں سننا پڑے گی۔ ہر دھلائی میں میری جینز نہیں دھلا کرے گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی میری عقل کو چیلنج نہیں کیا کرے گا۔''

مَنو نے قہقہہ لگایا۔ ''کیوں بجو ہوں گے ناں عیش اپن کے۔''

''میرے بھائی! تم اتنی آسانی سے عیش نہیں کر سکتے۔'' تمکین بولی۔ ''کیونکہ میرا فی الحال کہیں جانے کا ارادہ نہیں ابھی تو تمہیں ڈانٹیں بھی سننا پڑیں گی، دودھ بھی پینا پڑے گا، سلاد بھی ٹھونسنا ہوگا، تمہاری جینز بھی ہر دھلائی میں دُھلے گی، اور تمہاری عقل کو بھی چیلنج کیا جائے گا، کیا سمجھے؟''

''میری سمجھ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنے کے بجائے اس وقت آپ کچھ سمجھ لیں تو ہم دونوں کے حق میں بہت اچھا ہوگا۔''

''اچھا جی۔ آپ بہت عالم فاضل ہو گئے ہیں، آپ سمجھا دیں مجھے۔'' تمکین نے منہ بنایا۔

''جناب آپ! وہ افسانوی زبان میں کیا کہتے ہیں، ہاں پیا دیس۔ تو محترمہ آپ پیا دیس سدھارنے والی ہیں۔''

''کیا؟'' تمکین نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''جی ہاں، امی ابو کہہ رہے تھے کہ آپ کو گھر سے نکالنے کا وقت آ گیا ہے۔''

''کچھ آگے بھی بکو گے یا نہیں، ظاہر ہے یونہی دھکا تو نہیں دیں گے مجھے۔'' وہ مُنو کی بے نیازی پر چڑ گئی۔

''یہ واقعی ظاہر ہے کہ آپ کو یونہی دھکا نہیں دیا جائے گا، کسی نہ کسی بے چارے کے پلے تو باندھیں گے ہی، لیکن خیر مجھے آپ کے ہونے والے سے کچھ ایسی ہمدردی بھی نہیں ہے۔ کم از کم آپ کے میزائلوں کا رخ میری طرف سے تو ہٹ جائے گا۔''

''تنگ ہی کیے جاؤ گے، یا اصل بات بھی بتاؤ گے۔''

''بس ہو گئے کان کھڑے۔'' مُنو ہنسا۔ ''سنیں کوئی مسٹر زین العابدین ہیں جو ظفر بھائی کے دوست ہیں اور غالباً کسی دن گھر بھی آئے تھے، آپ کو دیکھا تھا اور اپنی امی کی پسند کی بہت داد دی تھی۔''

''کیا بک رہے ہو۔ انہوں نے تو شاید غور سے دیکھا بھی نہیں تھا مجھے اور پھر مجھے بھی ان کی شکل یاد نہیں ہے۔'' تمکین بولی۔ ''رہ گئیں موصوف کی والدہ تو ان سے اب تک میرا کوئی تعارف نہیں ہے لہٰذا ان کی پسند اور محترم کی داد سب بے پر کی باتیں ہیں، جو تم اُڑانے کی کوشش کر رہے ہو لیکن ان باتوں نے اُڑنے سے صاف انکار کر دیا ہے، جلدی سے ٹھیک بات بتاؤ۔''

''اتنی بھی کیا بے اعتباری کبھی تو پہلی مرتبہ ہی میری بات کا اعتبار کر لیا کریں۔'' مُنو بولا۔ ''بات یہ ہے کہ مسٹر زین العابدین کی ایک بہن ہیں، محترمہ ندا کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں ان کی شادی خانہ آبادی کے چکر میں زین صاحب کی والدہ سمیعہ آپا اور ظفر بھائی کے گھر مقیم تھیں، وہاں انہوں نے آپ کی تصویریں دیکھیں اور جھٹ آپ کے بارے میں سمیعہ آپا سے معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ سمیعہ آپا نے تمام تفاصیل ان کے گوش گزار کر دیں۔'' مُنو ایک لمحے کو مسکرایا۔ ''آگے ایک بڑی خالی جگہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے آپ کا ذکر کیا ہوگا اور ان کے بیٹے نے تہیہ کر لیا ہوگا کہ شادی ہوگی تو اس تصویر والی حسینہ سے ورنہ نہیں۔ پھر آپ کے عشق میں بے تاب ہو کر انہوں نے یہاں کا رُخ کیا ہوگا، اور گیٹ کھلنے کے ساتھ انہیں آپ دکھائی دی ہوں گی، اب اصولاً یہاں ایک گانا ہونا چاہیے تھا۔ شاید ہوا بھی ہو، لیکن آپ کہاں مانیں گی۔''

''بکواس کیے جاؤ گے۔'' تمکین نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی۔ ''جب سے میٹرک میں پہنچے ہو تمہیں بھی زکام ہو گیا ہے۔''

''زکام نہیں بجو! پیٹ میں درد ہو رہا ہے لیکن آج آپ کھچڑی کیا کھلائیں گی۔ خوشی

کے مارے شاید اس میں بھی چینی مکس کر دیں گی۔"

"تم اب فوراً پھوٹا کھاؤ یہاں سے، کیونکہ تم یہاں موجود رہے تو ضرور کچھ گڑ بڑ ہو گی، اور میں چینی یا نمک مرچ کے بجائے اس میں جمال گوٹا ملا دوں گی۔"

"اگر میں نہ جاؤں تو؟" مُنو نے اکڑ کر کہا۔

"بھاگو ورنہ مار کھاؤ گے۔" تمکین نے اسے وارننگ دی۔

"جا رہا ہوں، لیکن آپ کے ڈر سے نہیں بلکہ اس لیے کہ مجھے باتھ روم میں جانا ہے۔" وہ کچن سے نکل گیا۔

وہ کتنی دیر تک زین سے ہونے والی ملاقات یاد کرتی رہی۔

"ہوں اچھے ہیں۔" وہ بستر میں گھسی سوچ رہی تھی۔ "کتنا اچھا ہوتا کہ میں نے اس دن انہیں غور سے دیکھ لیا ہوتا، لیکن مجھے کیا پتا تھا۔ بھلا بیک گراؤنڈ سٹوری کا۔" وہ سوچتے سوچتے ہنس پڑی۔ "بڑی بے وقوفی ہوئی تھی مجھ سے اس دن، اچھی بھلی سفید کار سامنے کھڑی تھی اور میرا دماغ ایسا کھانا پکانے میں اٹکا ہوا تھا کہ غور ہی نہیں کیا کہ سامنے مُنو نہیں ہے۔ وہ بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ مجھے آنکھیں استعمال کرنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ پھر ہنس پڑی۔

"میں اس وقت سے دیکھ رہا ہوں بجو۔ آپ کچھ مشکوک سی حرکتیں کر رہی ہیں۔" مُنو نے کتاب بند کر کے عادت کے مطابق عینک کے اوپر سے دیکھا۔

"وہ مجھے صوفیہ کی ایک بات یاد آ گئی تھی۔" اس نے جلدی سے بات بنائی۔ "اور اب لائٹ آف کرو، مجھے نیند آ رہی ہے۔ اپنے کمرے میں جا کر پڑھو۔" اس نے لحاف منہ کے اوپر رکھ لیا۔

"سمجھ تو میں گیا ہوں کہ صوفیہ نے کیا کہا ہوگا آپ سے۔" اس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"کیا کہا ہوگا۔" وہ لحاف کے اندر سے بولی۔

"یہی کہ آپ کے ہاتھ کی لکیروں میں کہیں بہت واضح طور پر "زیڈ" لکھا ہوا ہے؟"

مُنو ہنسا۔

"بہت خبیث ہو تم۔" تمکین نے منہ لحاف سے نکالا۔

"کیوں میری توہین کرتی ہیں۔ میں خبیث سے دس ہاتھ آگے یعنی خبیثس ہوں۔"

"اُٹھو فوراً اپنے کمرے میں جاؤ۔" تمکین نے تکیہ اسے کھینچ مارا جسے مُنو نے بہت آرام سے کیچ کر لیا۔

"تکیے کی لڑائی کا ارادہ ہے؟"

"نہ بابا نہ۔ تم جاؤ اب۔" تمکین نے اس کے سامنے کان پکڑے۔

"شاباش یہ ہوئی نا بات۔ وہ ہماری ساتویں آٹھویں کی اُردو کی کتاب میں تھا کہ۔

مرتے کو مارنا بے دردی ہے
ہے بہت دور جوانمردی سے"

مُنو بولا۔ "اسی لیے آپ کو چھوڑے جا رہا ہوں۔" وہ کمرے سے نکلتے نکلتے تکیہ اس کی جانب اچھال گیا۔

اگلے دن امی نے اسے اس کے کمرے میں پکڑ لیا۔

"تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ بولیں۔

تمکین کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسے معلوم تھا کہ امی کی خاص بات کیا ہو گی۔ لیکن اس نے بالکل ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے کچھ خبر ہے۔

"جی امی!" وہ سعادت مندی سے بولی۔

"دیکھو بیٹا! اس دنیا میں رہنے کے لیے زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول بنا رکھے ہیں۔ یہ اصول صدیوں سے رائج ہیں اور ہمیشہ رائج رہیں گے۔" امی نے تمکین کے چہرے پر ردِ عمل تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ "انہی اصولوں اور ضابطوں کی وجہ سے دنیا میں زندگی رواں دواں ہے۔ میں غلط تو

نہیں کہہ رہی؟"

"نہیں امی!" وہ آہستگی سے بولی۔

"تو میری جان انہی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ بیٹیاں اپنے والدین کے گھر سے عزت اور وقار کے ساتھ رخصت کی جائیں۔" امی ایک لمحے کو رکیں۔ "اللہ کے فضل سے سمیعہ اور اسما اپنے اپنے گھروں میں خوش زندگی گزار رہی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔"

"جی امی؟" اس نے ایسے پوز کیا جیسے اسے کچھ خبر ہی نہیں۔

"اس دن ظفر کا دوست آیا تھا زین العابدین۔ تم نے دیکھا تھا ناں اسے؟"

"جی دیکھا تو تھا، لیکن سرسری انداز میں کچھ یاد نہیں ہے۔"

امی نے اسے زین کی امی کے سمیعہ آپا کے گھر اس کی تصویریں دیکھنے اور پسند کرنے کے متعلق اسے بتایا، پھر انہوں نے ایک لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔ "یہ تصویر ہے زین کی، اچھا لڑکا ہے، تین چار سال قبل اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، تب اس نے سارا بزنس سنبھالا اور اب بہت کامیابی سے اسے چلا رہا ہے۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے بولیں۔ "تم بھی سوچ لو۔ تمہاری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔"

"امی! مجھے کیا سوچنا ہے۔ آپ نے اور ابو نے جو کچھ کیا ٹھیک کریں گے۔"

"سعادت مندی اپنی جگہ، لیکن شادی کے معاملے میں لڑکی کی اپنی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"امی، رائے تو تب ہوگی، جب میں نے اس نظریے سے دیکھا ہوگا، ان کے متعلق کچھ جانتی ہوں گی۔ اب جب کہ مجھے ان کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو بھلا کیا رائے دوں میں سوائے اس کے کہ مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے، چاہے وہ جیسا بھی ہو۔" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ اسے خیال آیا کہ وہ کالج میں کسی تقریری مقابلے میں روسٹرم کے پیچھے نہیں کھڑی بلکہ اپنے کمرے میں امی کے روبرو بیٹھی ہوئی ہے۔ "مجھے آپ کے کسی فیصلے پر کوئی

اعتراض نہیں ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "کل زین کی امی خود بھی آئیں گی۔"

"امی ایک بات میں بتاؤں۔" وہ بولی۔ "میں کسی ڈرامے یا فلمی سین کی طرح چائے کی ٹرالی دھکیلتی کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہ بات بہت بری لگتی ہے۔ اول تو وہ مجھے تصویروں میں دیکھ چکی ہیں، لیکن اگر انہیں مجھے سانس لیتے دیکھنے کا بہت شوق ہو تو میرے کمرے میں آ جائیں، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔"

امی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "اصولاً مہمانداری تمہیں کرنی چاہیے۔"

"اگر وہاں رشتہ طے ہو گیا تو بہتیری عمر پڑی ہے خدمتیں خاطریں کرنے کے لیے لیکن ابھی نہیں۔ کم از کم جب تک باقاعدہ رشتہ طے نہیں ہو جاتا۔" تمکین نے صاف انکار کر دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" امی کے خیال میں اتنی سی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ "ویسے تم یہ رشتہ طے ہی سمجھو۔ ظفر نے ضمانت دی ہے اس کی۔ اور پھر وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی بھائی کا رشتہ ان کے گھر طے کر رہا ہے۔ اتنے اچھے رشتے روز روز نہیں ملتے۔"

"امی یہ لوگ لاہور میں رہتے ہیں یا کراچی میں؟" تمکین نے پوچھا۔

"یہیں لاہور میں گلبرگ نو میں رہتے ہیں، کراچی تو ندا کے رشتے کے سلسلے میں گئے تھے۔ ویسے بھی زین کا کاروبار کراچی میں بھی ہے۔ وہ آتا جاتا ہی رہتا ہے، بہت گہرا دوست ہے ظفر کا۔"

امی کے جانے کے بعد تمکین نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور امی کے دیئے ہوئے لفافے سے تصویر نکالی۔ زین مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تمکین بھی مسکرا دی۔

"اللہ کرے جیسے آپ صورت شکل کے اچھے ہیں، ویسے ہی دل کے بھی اچھے ہوں اور عادتوں کے بھی۔" اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔

زین کی امی اور بہن سب کو بہت پسند آئی تھیں۔ تمکین سے تو وہ ایسے ملی تھیں، جیسے

برسوں کی شناسائی ہو، پھر زین کی امی بھی ان لوگوں میں سے نہیں تھیں جو بزرگی کا چولا اوڑھے خشمگیں نگاہوں سے نوجوانوں کو گھورتے رہتے ہیں، وہ بہت نرم خو اور خوش مزاج تھیں۔ ندا تو اسے دیکھتے ہی اس کی عاشق ہوگئی تھی۔

''آپ تو تصویروں سے بھی زیادہ اچھی ہیں۔ اتنی کیوٹ اتنی جانُوسی۔'' اس نے والہانہ انداز میں کہا۔

''شکریہ!'' وہ مسکرائی۔

اس سے مل کر تقریباً ہر شخص پہلا تاثر یہی لیتا تھا کہ وہ بہت کیوٹ ہے۔ شاید اس کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ اور شرارت سے چمکتی آنکھوں کی وجہ سے یہ کمپلی منٹ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

''اچھا تو گھر میں ہر طرف آپ کا ہنر بکھرا ہوا ہے۔'' ندا نے تبصرہ کیا۔

''یہ سب تو کالج کے وقت کی بنی ہوئی چیزیں ہیں۔'' تمکین بولی۔ ''میں نے ہوم اکنامکس کالج سے پڑھا ہے۔''

''مجھے بتایا تھا امی نے اور امی کو بتایا تھا سمیعہ آپا نے۔'' ندا بولی۔

وہ دونوں جلدی ہی بے تکلف ہوگئیں۔ ندا کو وہ بے حد پسند آئی تھی۔ دونوں کتنی دیر تک باتیں کرتی رہیں اور دونوں کی امیاں آپس میں مصروف گفتگو تھیں۔ وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ باہر کار کا ہارن سنائی دیا۔

''اوہو زین بھائی لینے آگئے، ابھی تو بہت باتیں کرنی تھیں۔'' ندا بولی۔

''کوئی بات نہیں تم آتی رہنا۔ باتیں ہوتی رہیں گی۔'' تمکین نے مشورہ دیا۔

''ہاں اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔'' ندا ہنسی۔

جاتے جاتے زین کی امی ان سب کو ڈنر پر انوائیٹ کر گئیں۔

''پھر نجو چل رہی ہیں ناں ڈنر پر۔'' مُنو اس کے پاس آدھمکا۔

''جی نہیں۔''

''کیوں نہیں؟'' مُنو نے حیرت سے پوچھا۔

''بیوقوف، احمق شادی سے پہلے لڑکیاں سسرال کے پھیرے نہیں لگایا کرتیں۔''

''پھر غیر پارلیمانی زبان کا استعمال۔'' مُنو چلایا۔ ''اور بجو یہ آپ جیسی لڑکیاں ہیں جو حقوقِ نسواں کے مشن کو شدید ترین نقصان پہنچا رہی ہیں۔ شادی سے پہلے سسرال جانے سے کیا لڑکی کے پیٹ میں درد ہو جاتا ہے؟ میری جو بیوی ہوگی وہ شادی سے پہلے بھی یہاں ضرور آئے گی، بلکہ میرے ساتھ باہر گھومے پھرے گی، میں تو موصوف زین العابدین کی قسمت پر رو رہا ہوں جنہیں آپ جیسی سڑی ہوئی لڑکی ملے گی۔''

''تم لے کر آجانا کوئی دیسی میم۔ میرے اپنے اصول ہیں۔'' تمکین نے اسے گھورا۔

''بھئی بات اصولوں کی نہیں ڈنر کی ہے۔ واہ واہ بریانی ہوگی، چکن روسٹ ہوگا، کباب ہوں گے اور آخر میں کوئی خاص قسم کا ڈیزرٹ۔''

''کیوں مینو تم نے تیار کیا ہے کیا؟''

''کسی بھی معقول ڈنر میں ان سب چیزوں کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے اور یہ یاد رکھیں کہ آپ ان سب چیزوں سے محروم رہیں گی۔''

''تم کیوں میری فکر میں دُبلے ہو رہے ہو۔''

''ویسے بجو آپ کو دیکھ کر لگتا نہیں ہے کہ آپ اتنی دقیانوسی قسم کی چیز ہوں گی۔ ذرا اپنے کالج کی لڑکیوں کی طرف دیکھیں۔''

''کیوں کیا ہوا انہیں؟''

''ایک سے ایک پٹاخہ ہے، خود آپ کی سہیلیاں رباب اور صوفیہ۔ انہیں ہی دیکھ لیں۔''

''یہ بات کالج کی نہیں ہوتی، میری جیسی کتنی لڑکیاں وہاں ہیں اور پٹاخے تو تمہیں اسلامیہ کالج میں بھی مل جائیں گے۔ یہ بات ہوتی ہے مزاج کی، پرورش کی۔''

''بجو! ایک بات ٹھیک بتانا۔''

''پوچھو؟''

''کیا آپ کو یہ محسوس نہیں ہو رہا کہ امی ابو آپ کو ایک ایسے شخص کے حوالے کر رہے ہیں، جسے آپ سرے سے جانتی ہی نہیں ہیں، جو پتا نہیں کیسا ہوگا، اس کی عادتیں، اس کا مزاج، نہ جانے کیسا ہو۔ آپ کی اس کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ڈیویلپ ہو سکے یا نہیں۔''

''یہ سب کچھ کسی نہ کسی ذریعے سے معلوم ہو ہی جاتا ہے اگر اس وقت میں کالج میں روسٹرم کے پیچھے کھڑی کسی تقریری مقابلے میں حصہ لے رہی ہوتی تو یقیناً اس بات کے حق میں دلائل دیتی کہ لڑکے اور لڑکیوں کو ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہونا چاہیے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ کالج کا اسٹیج نہیں ہے زندگی ہے اور زندگی میں ہمیں صرف اپنے لیے نہیں سوچنا ہوتا بلکہ اپنے سے منسلک تمام لوگوں کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔ پھر ایک معاشرہ ہوتا ہے، جو ہر ایک کے لیے کچھ اصول وضع کر دیتا ہے، اگر آپ معاشرے کو ڈس اون (رد) کریں گے تو جواباً وہ بھی آپ کو ڈس اون کر دے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ''کچھ دو اور کچھ لو'' کے بغیر زندہ رہنا بہت مشکل ہے اور یہ کچھ لو اور کچھ دو کا اصول ہر رشتے پر لاگو ہوتا ہے پھر تمام مزاج آشنائی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ شادی سے پہلے لڑکا اور لڑکی کتنے بھی مزاج آشنا ہوں، وہ یہ لائحہ عمل تو طے نہیں کرتے ناں کہ شادی کے بعد وہ کیا چیز اپنی زندگی میں شامل کریں گے اور کس چیز کو رد کر دیں گے، پھر یہ سب کچھ بے کار ہی دکھائی دیتا ہے۔''

''بجو گو کہ مجھے آپ کی باتوں سے بعض جگہ شدید اختلاف ہے لیکن چلیں چھوڑیں اسے۔'' منو بولا۔ ''لیکن ایک بات ہے کہ آپ میں اتنی صلاحیت ہے کہ آپ اپنا حق حاصل کر سکیں لیکن غالباً آپ نے اپنے حقوق کا تعین ہی نہیں کیا اور آپ تو کچھ لو اور کچھ دو کی بھی قائل نہیں لگتیں۔ آپ نے اپنے اوپر صرف فرائض کو مسلط کر رکھا ہے۔ بجو یہ بات یاد رکھیں کہ یہ معاشرہ جس کی ابھی آپ وکالت کر رہی ہیں۔ یہ پسنے والوں کو پیس دیتا ہے۔ ہر رشتہ نبھانا اور ہر فرض پورا کرنا محض ایک فرد کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ میرا آپ کو مشورہ ہے کہ اپنے حقوق کا تعین ضرور کر لیں، پھر آپ انہیں حاصل بھی کر سکیں گی۔''

''مقرر ہوتے جا رہے ہو۔'' تمکین ہنس پڑی۔

''نہیں بجو! میں سیریس ہوں۔'' منو نے واقعی سنجیدگی سے کہا ''لیڈرز ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں اور عوام اکثریت میں۔ اور دنیا کے یہی راہنما، یہی اقلیت ہوتی ہے، جو معاشرے اور اصولوں کا رُخ خود معاشرے اور اصولوں سے لڑ کر تبدیل کرتی ہے۔ اسی لیے قدریں بدلتی ہیں، انقلاب آتے ہیں، اکثریت تو محض پیچھے چلنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس اقلیت کے پیچھے چلنے کے لیے جنہوں نے معاشرے سے ٹکر لی ہوتی ہے، جنہوں نے معاشرے کو ڈس اون کیا ہوتا ہے۔''

''فاؤل۔'' تمکین چلائی۔ ''یہ اکثریت اور اقلیت والی بات میں نے کہیں اور بھی پڑھی ہے، جسے تم ناک پر عینک دھرے بڑے فلسفیانہ موڈ میں مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''یہ آپ نے میری ڈائری میں انگریزی میں پڑھا ہوگا، لیکن پہلے یہ بتائیں کہ آپ نے میری ڈائری کیوں پڑھی۔''

''ایسا کون سا سیکرٹ لکھا ہوا تھا تم نے جسے میں پڑھ لیتی تو کوئی طوفان آ جاتا۔'' تمکین نے کہا۔ ''لیکن تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کس کتاب سے یہ اقتباس مستعار لیا ہے؟''

''اس بات کو جانے دیں، دراصل سیکرٹ یہی تو ہے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میں آپ کی چالیں خوب سمجھتا ہوں، ہم بات کر رہے تھے ڈنر کی، جسے آپ مجھے خیالوں تک میں نہیں کھانے دے رہیں۔''

''کس قدر ریپیٹو ہو تم۔'' تمکین نے اسے گھورا۔

اور پھر بہت جلد منگنی کی تاریخ طے ہو گئی۔ زیادہ چھان پھٹک کی ضرورت نہیں تھی۔ ظفر اور زرین کے درمیان دوستی کا مضبوط رشتہ موجود تھا، جواب دہری رشتہ داری میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ابو کو زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑی اور بالآخر منگنی ہو گئی۔

☆======☆======☆

زمرد بائی کمرے سے چلی گئیں تو نگار نے کمبل منہ پر سے ہٹا دیا۔ یادیں، پاگل کر دینے والی یادیں اس کے وجود سے نکل کر اس کے چھوٹے سے کمرے میں ہر طرف پھیل گئی تھیں، اس کی زندگی کا سفر طبلے کی تھاپ پر اور پائل کی جھنکار کے ساتھ ہی شروع ہوا تھا۔ وہ خوش تھی، مطمئن تھی۔ طبلے کی تھاپ اسے بے خود کر دیتی تھی۔ پائل کی نرم جھنکار سن کر وہ مچل جاتی تھی لیکن اس وقت وہ بہت چھوٹی تھی اور وہ زمانہ اس کی بہنوں کاجل، پائل اور زرقا کے عروج کا زمانہ تھا۔ جب وہ نوخیز کلیوں کی طرح ستار کے سُروں پر ادھر اُدھر ڈولتیں تو ہر طرف کوئی دل تھام کر رہ جاتا۔ وہ دونوں نگار کی آئیڈیل تھیں۔ نگار انہی جیسی بننا چاہتی تھی جن کے ابرو کے ایک اشارے پر ہزاروں فدا ہو سکتے تھے، وہ اکثر انہی کی طرح پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر ان کی میٹھی میٹھی جھنکار سنتی تو زمرد بائی ہنس پڑتیں۔

''کسی نے سچ کہا ہے، پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آ جاتے ہیں، میری نگار بہت آگے جائے گی، بہت لمبی اُڑان لے گی۔''

اور زمرد بائی نے اسے لمبی اُڑان لینے کے لیے تربیت دینی شروع کر دی۔ تک تک تھئی، تک تھئی، طبلے کی تھاپ پر نگار کا جسم کسی لچک دار شاخ کی طرح بل کھا رہا تھا اور زمرد بائی کلّے میں پان دبائے مستقبل کی حسین دنیاؤں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ ہلکے سنہرے بالوں اور سحر زدہ کر دینے والی گہری آنکھوں کی مالکہ نگار، زمرد بائی کے لیے ایک ہیرا تھی جسے وہ بہت محنت سے تراش رہی تھیں، اسے کوئی جلدی نہیں تھی، کاجل، پائل اور زرقا ان کی موجودہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی تھیں لیکن وہ عام طوائفیں تھیں۔ تیس پینتیس سال کی عمر میں کچی عمارت کی طرح زمین بوس ہو جانے والیں، نگار ان سب سے مختلف تھی۔ اسی لیے زمرد بائی اسے تربیت بھی مختلف دے رہی تھیں۔

طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار ختم ہوئی تو زمرد بائی بھی خیالات کی دنیا سے باہر نکل آئیں۔

''دیکھا بائی جی! آپ نے؟'' استاد بندے علی فخریہ انداز میں بولے۔ ''میں نہ کہتا

تھا کہ رب نے آپ کی جھولی میں ہیرا ڈال دیا ہے ہیرا۔ اب دیکھیں کیسے سنوارا ہے اسے میں نے، کتنی خوبصورتی سے تراشا ہے، پورے بازار میں اس کا جوڑ ملنا ممکن نہیں۔''

''ابھی اس نے بہت کچھ سیکھنا ہے استاد جی۔'' زمرد بائی نے گوری کلائی میں بندھے گجرے سے کھیلتی نگار کی طرف دیکھا۔

''بچی ہے ابھی، اس لیے بہت لاپرواہ ہے۔ ابھی صرف اس کا جسم ناچتا ہے، میں اس کی روح کو رقص سکھانا چاہتی ہوں۔''

''بائی جی! میں تو بی بی کے پہلے مجرے کے انتظار میں ہوں۔ دیکھنا کیا دھومیں مچیں گی شہر میں۔'' پیارے خان سارنگی نواز جوش سے بولا۔

''یہ مجرا نہیں کرے گی۔'' زمرد بائی کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

بندے علی اور پیارے خان ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگے۔

''مجھے اسے عام تیسرے درجے کے لوگوں کے حوالے نہیں کرنا۔ ذرا اس کا حسن دیکھیں استاد جی، یہ اپنے رقص اور اپنے حسن کے سحر سے دنیا کو فتح کر سکتی ہے۔ یہ بہت خاص لوگوں کے لیے بہت خاص تحفہ ہوگی۔'' وہ بولیں۔ ''استاد جی! یہاں اسے جو کچھ سیکھنا تھا، اس نے سیکھ لیا۔ میں اسے بہت آگے تک لے جانا چاہتی ہوں، اسے کل ہی الحمرا میں مہاراج سے رقص کی تربیت دلوانے بھجوا دیں۔'' زمرد بائی نے پاندان بند کیا۔

الحمرا جاتے ہوئے نگار کچھ گھبرا رہی تھی، عام لوگوں تک اس کی رسائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ محفل لگنے کے وقت بھی وہ اپنے کمرے میں بند رہتی تھی۔ زمرد بائی ابھی اسے کسی کے سامنے لے جانا نہیں چاہتی تھیں پہلے وہ اسے ہر لحاظ سے مکمل بنانا چاہتی تھیں۔ نگار کی دوستی صرف اپنی بہنوں سے تھی اور دلچسپی صرف گھنگھروؤں اور کتابوں سے، آج اسی لیے اسے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی کہ نہ جانے کیسے لوگ ہوں وہاں۔ پھر اس نے خود ہی دل کو تسلی دی۔

ظاہر ہے، میرے جیسی لڑکیاں ہی ہوں گی، میرے محلے کی نہ سہی، لیکن اب تو شہر

میں جگہ جگہ میرے جیسی لڑکیاں موجود ہیں۔ اور بہت بھی لڑکیاں رقص سیکھنے آئیں تب بھی کتنی ہوں گی، صرف دو چار۔ تو ان سے کیا گھبراہٹ یا جھجک لیکن یہ دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی کہ وہاں اچھے اچھے خاندانوں کی بہت سی لڑکیاں رقص کی تربیت لینے آئی ہوئی تھیں، پر ان میں سے کسی کو رقص کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں تھی۔ وہ کتنی دیر تک انہیں دیکھ کر دل ہی دل میں ہنستی رہی، پھر جب اس نے پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر رقص شروع کیا تو سب ہی اس کی جانب دیکھتے رہ گئے۔

''یہ اپسرا سورگ سے دھرتی پر کیسے اُتر آئی۔'' اسے رقص کرتے دیکھ کر مونا نے حیرت سے کہا۔ ''ضرور اسی مینکا نے وِشوامتر کی تپسیا بھنگ کی ہوگی۔''

اس وقت نگار ایک طرف بیٹھی گھنگھرو اتار رہی تھی کہ مونا اور اس کی کزن نازش اس کی طرف چلی آئیں۔ نگار نے نگاہیں اٹھا کر ان دونوں کی جانب دیکھا۔ ان کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

''آپ یقیناً مینکا ہوں گی اور اگر نہیں ہیں تو آپ کو مینکا ہونا چاہیے۔'' مونا نے مسکرا کر کہا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' نگار نے اپنی سحر زدہ کر دینے والی گہری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آپ اپنے آپ سے اس قدر بیگانہ ہیں کہ کچھ نہیں سمجھیں۔'' مونا نے اس کی ساحر آنکھوں کو دیکھا۔ ''آپ تو اپنے نرت سے کسی بھی مہارشی کی ساری عمر کی تپسیا بھنگ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔''

نگار ہولے سے ہنس پڑی۔ یوں لگا جیسے جلترنگ بج اُٹھے ہوں۔ ''نہیں نہ تو میں کوئی اپسرا ہوں، اور نہ اِندر دیوتا کی سورگ سے یہاں آئی ہوں۔ میں تو یہیں تنگ و تاریک گلیوں میں پلی ہوں، جہاں نہ میرو کی پہاڑی ہے اور نہ سونے اور جواہرات کے محل۔''

''حالانکہ اصولاً آپ کے لیے سونے اور جواہرات کے محل ہی ہونے چاہئیں۔''

نازش بولی۔

''آپ بھی یہاں رقص سیکھنے آئی ہیں؟'' نگار نے پوچھا۔

''بس یونہی۔ ٹائم بھی پاس ہو جاتا ہے اور اگر کسی کو معلوم ہو کہ ہم رقص سیکھ رہے ہیں تو داد بھی بہت ملتی ہے۔''

''کوئی نہ کوئی ایسی ایکٹیوٹی ہوتی رہنی چاہیے۔'' مونا نے کہا۔ ''تھوڑی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔''

''آپ رقص کے علاوہ کیا کرتی ہیں؟'' نازش نے اس سے پوچھا۔

''پڑھتی ہوں۔'' اس نے مختصراً کہا۔ وہ یہاں کسی سے بھی لمبی گفتگو میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''کس کالج میں؟''

''میں پرائیویٹ پڑھ رہی ہوں۔''

''اچھا اچھا۔ اور آپ کے ڈیڈی کیا کرتے ہیں؟'' نازش غالباً اس سے تفصیلی انٹرویو لینے کے چکر میں تھی۔

''وہ.....'' نگار ایک لمحے کو جھجکی پھر عام سے لہجے میں بولی۔ ''وہ ملک سے باہر ہوتے ہیں ایتھنس میں۔'' پھر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں چلتی ہوں۔ بی بی جی منتظر ہوں گی۔''

''اب آپ روزانہ آئیں گی ناں؟'' مونا نے پوچھا۔

''جی!'' کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

مونا اور نازش کا معمول تھا کہ وہ نگار کا رقص ضرور دیکھتی تھیں اور بعد میں اس سے باتیں کرتی تھیں اور نگار ذاتی سوالات کی زد سے بچنے کی خاطر جلد از جلد ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ یہاں کسی سے بھی زیادہ فری نہیں ہونا چاہتی تھی، یہاں کی لڑکیوں نے اسے خود ہی کسی بہت امیر کبیر شخص کی بیٹی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ انہیں اس

غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتی تھی، لیکن ساتھ ہی اسے ڈر تھا کہ کسی قریبی دوستی کی صورت میں اس کا راز بہت دن تک برقرار نہیں رہے گا، جس کی وہ متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

لیکن کب تک؟ مونا اور نازش بھی اس معاملے میں بہت ڈھیٹ ثابت ہوئی تھیں۔ وہ نگار سے دوستی کی خواہش مند تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ ان دونوں کی عادی ہوگئی اور ان کے درمیان آشنائی سے بڑھ کر دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ نگار کو بھی وہ بہت اچھی لگتی تھیں۔ ان کی باتیں سادہ سی ہوتیں، گھریلو لڑکیوں والی۔ ان میں قدرے شوخی ہوتی جو کالج لائف نے ان میں بھر دی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر خلوص تھا جس کا نگار کے اپنے معاشرے میں فقدان تھا۔

وہ اس سے ڈھیروں باتیں کرتی تھیں۔ انہی کی باتوں سے اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ دونوں کزنز ہیں اور ان دونوں کے والد بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ نازش کی ممی مزاج کی قدرے سخت ہیں لیکن مونا کی ممی نے گھر اور اولاد کے سلسلے میں زیادہ تردد کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ان کے گھر میں ہر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر تقریباً خودمختار زندگی گزارتا ہے اور یہ کہ مونا کا ایک بھائی سعد ہے جو اس کے پاپا کے بار بار کہنے کے باوجود بھی بزنس کی طرف توجہ نہیں دیتا اور اپنا زیادہ تر وقت شکار کھیلنے میں گزارتا ہے۔

''تم کبھی چلو ناں میرے گھر۔'' مونا اکثر اس سے اصرار کرتی۔

''کبھی وقت ہوا تو ضرور چلوں گی۔''

''اچھا تو ہمیں ہی اپنے گھر لے چلو۔'' نازش ہنستی۔

''میری ممی تمہاری ممی سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ اتنی مشکلوں سے تو انہوں نے اجازت دی ہے یہاں آنے کی۔'' پہلے پہل اسے جھوٹ بولنے میں دقت ہوتی تھی لیکن اب وہ بہت روانی سے کہانی گھڑ لیتی تھی۔

''تو کیا تمہاری دوستوں کا تمہارے گھر آنا منع ہے؟''

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' نگار بولی۔ ''اصل میں میری ممی ہر وقت اس

پریشانی میں مبتلا رہتی ہیں کہ زمانہ بہت خراب ہے۔ انہوں نے مجھے میرے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ادھر رقص سیکھنے کی اجازت اسی شرط پر دی تھی کہ میں یہاں کسی سے کوئی فالتو بات نہیں کروں گی۔''

''اچھا۔ اسی لیے تم چپ چپ رہتی ہو۔'' نازش ہنسی۔ ''اور سب یہ سمجھتے ہیں کہ تم بہت مغرور ہو۔ خیر ہم بھی پھر دھن کے پکے نکلے ناں۔ ہم نے پہلے ہی دن تہیہ کیا تھا کہ تم سے دوستی کرنی ہے اور دیکھ لو ہم کامیاب رہے۔''

''ویسے کہتی تو نگار کی ممی بھی ٹھیک ہیں۔ آج کل تو کوئی معیار نہیں ہے لیکن جہاں کچھ برے لوگ ہوتے ہیں، وہیں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔'' مونا نے گویا بات ختم کر دی۔

لیکن اس دن بات ختم نہیں ہوئی تھی، دراصل شروع ہوئی تھی، ختم تو درحقیقت نگار کی زندگی کا پہلا باب ہوا تھا، اور ایک نئے باب کی ابتدا ہوئی تھی۔ وہ تینوں الحمرا سے اکٹھی باہر نکلی تھیں۔ اتفاق سے نگار کی کار بھی ان کی کار کے بالکل ساتھ ہی پارک تھی اور آج اس میں ڈرائیور کے علاوہ زمرد بائی بھی موجود تھیں۔

''اوہو!'' نگار نے سوچا۔ ''یہ دونوں اب اماں سے ملے بغیر ٹلنے والی نہیں ہیں۔ ان دونوں سے کنی کترانا ہی بہتر ہے۔''

وہ چلتے چلتے رک گئی اور جوتا ٹھیک کرنے کے بہانے وہیں ٹھہر گئی لیکن مونا اور نازش بھی اسے رکتے دیکھ کر رک گئیں۔

''کیا ہوا؟'' مونا نے پوچھا۔ ''کیا جوتا کاٹ رہا ہے۔''

''ہاں جوتا چبھ رہا ہے۔'' اس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا اور سیدھی ہوگئی۔

اس ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے اسے یہی اکلوتا منصوبہ سوجھا تھا جو بری طرح فیل ہو گیا تھا۔ اس نے دونوں سے جان چھڑانے کے لیے ایک مرتبہ پھر ذہن پر دستک دی، لیکن بے کار۔ بالآخر وہ تن بہ تقدیر ہو کر کار کی طرف چل پڑی۔

''تمہاری ممی بھی آج ساتھ ہیں؟'' نازش نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''چلو مونا، آنٹی سے ذرا ہیلو ہائے کر آئیں۔''

مونا اور نازش کار کی اس کھڑکی کے پاس چلی آئیں۔ جہاں زمرد بائی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم آنٹی! ہم نگار کی دوست ہیں۔ میں مونا ہوں اور یہ نازش۔''

''بہت خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر۔'' زمرد بائی نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آنٹی! ہم نے نگار سے بہت مرتبہ اصرار کیا ہے اپنے گھر آنے کے لیے لیکن یہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانا بنا دیتی ہے۔'' مونا بولی۔ ''کہتی ہے ممی اجازت نہیں دیتیں۔ آپ پلیز اجازت دے دیں ناں۔ چاہے صرف ایک مرتبہ۔''

''اسے واقعی میں اجازت نہیں دیتی لیکن اس وجہ سے کہ مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کی اتنی اچھی اتنی پیاری سہیلیاں ہیں۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں ضرور اجازت دے دیتی۔''

''آنٹی! اب تو پتا چل گیا ناں؟'' نازش ہنسی۔

''ہاں، اور اب اجازت بھی دے دی۔'' زمرد بائی بولیں۔

''تھینک یو آنٹی۔'' پھر مونا نگار کی طرف مڑی، جو ان کے قریب ہی چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی۔ ''بولو اب کب آنے کا ارادہ ہے؟''

''ہاں، اب کوئی بہانا نہیں چلے گا۔'' نازش بولی۔

''میں نے کب کوئی بہانا بنایا ہے۔'' نگار پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔ ''پہلے ممی کی اجازت نہیں تھی اس لیے نہیں آئی۔ اب اجازت مل گئی ہے تو جیسے ہی وقت ملا آ جاؤں گی۔'' اس نے اب بھی بات ٹالنے کی کوشش کی۔

''وقت نہ ہونا تو محض بہانا ہوتا ہے، دوستوں کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ کیوں آنٹی؟'' مونا نے زمرد بائی کی طرف تائید طلب نگاہوں سے دیکھا۔

''بالکل درست۔'' وہ بولیں، پھر نگار سے مخاطب ہوئیں۔ ''تم نے کون سے ایسے

کام نمٹانے ہوتے ہیں جن سے تمہارے پاس وقت ہی نہ بچے۔ کسی دن ٹیمیں سے اپنی سہیلیوں کے گھر ہو آؤ۔''

''ہائے آنٹی! آپ کتنی اچھی ہیں۔'' نازش چلائی۔

''ہاں کسی دن کیوں، کل ہی ہمارے ساتھ چلی چلو۔''

''کل تو مجھے۔'' نگار نے دل ہی دل میں کوئی بہانا سوچنے کی کوشش کی۔

''چلی جاؤ ناں اس قدر پیار سے کہہ رہی ہیں۔'' اسے متذبذب دیکھ کر زمرد بائی نے کہا۔ ''چلے گی کل یہ میں نے کہہ دیا ہے۔''

گھر آ کر وہ زمرد بائی پر برس پڑی۔

''اماں کیا ضرورت تھی آپ کو ان کی بات ماننے کی۔''

''سمجھا کرو ان باتوں کو، اب تم بچی نہیں ہو۔ تمہاری عمر میں تو یہ تینوں کہاں کہاں پہنچ چکی تھیں۔ بڑے بڑے سیٹھ ہماری چوکھٹ سے ہلنے کا نام نہیں لیتے تھے اور ایک تم ہو، جسے کسی اونچ نیچ کی کچھ خبر ہی نہیں ہے۔'' زمرد بائی نے پان بناتے ہوئے اسے گھورا۔ ''بڑے گھر کی لڑکیاں ہیں، ایسے لوگوں سے دوستی بڑھانی چاہیے۔''

''اماں یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ ''اگر میں ایک مرتبہ ان کے گھر گئی تو مجھے بھی ایک مرتبہ انہیں اپنے گھر بلوانا ہوگا۔''

''تو کیا ہوا؟ بازارِ حکیماں میں تو بڑے بڑے لوگوں کی حویلیاں ہیں۔ آج گلبرگ اور ڈیفنس چلے گئے ہیں تو کیا ہوا؟''

''لیکن یہ تو بازارِ حکیماں نہیں ہے۔'' وہ چڑ گئی۔

''ذرا سا ہی تو ہٹ کر ہے اس سے، نئے آنے والوں کو تو پتا ہی نہیں چلتا کہ کہاں سے بازارِ حکیماں کی حد ختم ہوئی اور کہاں سے ہمارا محلہ شروع ہوا۔'' اماں کے لیے تو جیسے یہ مسئلہ ہی نہیں تھا۔

''اماں یہ تو سوچیں کہ میں محفلوں میں شامل نہیں ہوتی تب بھی آپ نے جو میری اتنی

بڑی تصویر بیٹھک میں لگا رکھی ہے، اسی کی وجہ سے اگر کسی نے مجھے وہاں پہچان لیا یا انہیں کسی طرح معلوم ہو گیا کہ میرا تعلق اس علاقے سے ہے تو کیا ہو گا؟''

''یہ برا تو نہیں ہو گا بلکہ بہت اچھا ہو گا۔ جدی پشتی کاروبار ہے یہ ہمارا۔ چاوڑی بازار میں عیدن بائی کے بعد ہمارے ہی کوٹھے کا نمبر آتا تھا۔ اور خود عیدن بائی کیا تھی، ایک ہی ایک نکلی تھی اپنے پورے خاندان میں ورنہ اس سے پہلے تو خاک عزت نہیں تھی ان کی پورے بازار میں۔'' زمرد بائی نے کلے میں پان دبایا۔

''آپ تو بات پتا نہیں کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔'' نگار نے ہونٹ کاٹے۔

''لڑکی باؤلی کیوں ہوئی جاتی ہے۔ یہ جو سارے بزنس مین اور سیٹھ کہلاتے ہیں۔ مجھے سب کی حقیقت کا پتا ہے اگر انہیں پتا چل گیا کہ تُو یہاں کی ہے تو سمجھ کہ تیری قسمت جاگ جائے گی۔ ویسے بھی میں اب تجھے بزنس میں لانے کا سوچ رہی ہوں۔''

''لیکن اماں! مونا اور نازش میری سہیلیاں ہیں۔ وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی؟''

''بڑی سوچا کریں، تجھے کیا۔ ایک بات یاد رکھنا ہمیشہ۔ اس دنیا میں سب اپنے مفاد کے دوست ہوتے ہیں۔ کوئی انسان اس وقت تک کسی سے دوستی نہیں کرتا جب تک اس کا مفاد دوسرے سے وابستہ نہ ہو۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، انہوں نے بھلا مجھ سے کیا لینا دینا۔ کوئی کمی نہیں ہے ان کے پاس کہ مفاد کی خاطر مجھ سے دوستی کریں۔ نہیں اماں، انہیں تو منہ سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ کچھ کہنے سے بھی پہلے ان کی خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں۔''

''تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھی ہے۔'' پائل سنگھار کرتے ہوئے بولی۔ ''اپنے کمرے میں بیٹھے رہنے یا چند میل کا فاصلہ طے کر کے الحمرا چلے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم نے لوگوں کو سمجھنا شروع کر دیا ہے، ابھی تو تمہیں بہت کچھ دیکھنا ہے گڑیا۔ خود غرضی، بے ایمانی اور بد نیتی کا تمہیں اس وقت پتا چلے گا، جب تم اس دنیا میں پہلا قدم رکھو گی، اور پہلی ٹھوکر

کھاؤ گی۔''

''پتا نہیں آپ لوگ کیا کہہ رہی ہیں، مجھے تو صرف اتنا پتا ہے کہ مونا اور نازش بہت اچھی ہیں اور اگر انہیں میری اصلیت کا پتا چلا تو انہیں بہت دکھ ہو گا۔''

''دوسروں کے دکھوں کی پرواہ کرتی رہیں تو خود زخمی ہو جاؤ گی۔'' پائل نے مربیانہ انداز میں کہا۔

''اور کیا خود ان کے باپ اور بھائی ہم جیسوں کے پاس نہیں آتے ہوں گے؟'' زمرد بائی بولی۔ ''خود انہیں بھی سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔''

''اماں آپ لوگ کیا بحث کرنے لگے۔'' زرقا اُکتا گئی۔ ''ابھی بچی ہے یہ بالکل۔ آہستہ آہستہ سب سمجھ آ جائے گی اسے۔''

''اتنی بچی بھی نہیں ہے۔'' زمرد بائی نے کہا۔ ''اب اسے یہ باتیں سمجھنی چاہئیں۔ کل کو اسے بزنس میں آنا ہے۔ اس کی عمر جتنی لڑکیاں کیا کر رہی ہیں، یہ تم لوگ بھی جانتے ہو۔''

''اماں! اسے تربیت بھی تو آپ دے رہی ہیں۔'' کاجل ہنسی۔ ''اس کی عمر میں ہم تو دھومیں مچا چکے تھے پورے بازار میں۔''

''اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' زمرد نے نگار سے کہا۔ ''اور اس مسئلے پر زیادہ پریشان مت ہونا۔ مونا اور نازش تمہاری کامیابی کے راستے کی سیڑھیاں ہیں اور سیڑھیاں محض راہ گزر ہوتی ہیں دوست نہیں۔''

وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے اماں کی یہ منطق سمجھ میں نہیں آ سکی تھی، رات کو دیر تک طبلے اور گھنگھروؤں کی مدھر آوازیں سنتے سنتے وہ اس مسئلے پر غور کرتی رہی لیکن اسے کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا۔ اور پھر نہ جانے کب وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔

اگلے دن جب وہ ان دونوں کے ساتھ مونا کے گھر میں داخل ہوئی تو ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ بنگلہ یا کوٹھی نہیں محل تھا۔ اتنی نفاست اور اتنی خوبصورتی تو اس نے فلموں کے نقلی سیٹوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

''آؤ ناں۔'' اسے رکتا دیکھ کر مونا بھی رک گئی۔

''آں ہاں۔'' وہ جیسے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی۔

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ اس دن نگار کو بہت شدت سے احساس ہوا کہ دوستی کس قدر خوبصورت رشتہ ہے۔ ان دونوں کے علاوہ اس کی اور کوئی دوست نہیں تھی۔ اسے اب بھی اماں اور پائل کی کل کی باتیں یاد کر کے غصہ آ رہا تھا۔ جن کے نزدیک دوستی محض مفاد کا نام تھا۔ اور دوست کی حیثیت راہ گزر سے زیادہ نہیں تھی۔ یوں جیسے آپ کی وابستگی انسان سے نہ رہی ہو بلکہ آپ راستے کے اینٹ پتھروں سے ہیلو ہائے کر کے آگے بڑھ گئے ہوں۔

نازش اور مونا دونوں کی زبان مسلسل چل رہی تھی وہ اسے کالج اور گھر کے قصے بغیر رکے سنائے جا رہی تھیں۔ سنانے کے لیے نگار کے پاس بھی بہت سے قصے تھے لیکن وہ اس محفل میں سنانے کے لیے نہیں تھے، اس لیے وہ صرف سنتی رہی۔ ان دونوں کی باتیں کتنی سادہ تھیں اور وہ کالج کے چھوٹے چھوٹے بے ضرر قسم کے افیئرز کتنی دلچسپی سے اسے سنا رہی تھیں۔ اسے ان دونوں کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔

''قسم سے گھنٹوں دھوپ میں پڑا سڑتا رہتا ہے وہ غالب۔ مجال ہے جو کبھی کسی نے اسے انجینئرنگ یونیورسٹی میں دیکھا ہو، سارا دن لاہور کالج کے باہر ہوتا ہے اور رابعہ بھی اسے جی بھر کے تنگ کرتی ہے۔'' مونا جوش سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں، وہ بے چارا تو بہت ہی عاشق صادق قسم کی چیز لگتا ہے لیکن جو نورین اور فرحان کا چکر ہے یہ مجھے مزید چلتا نظر نہیں آ رہا۔'' نازش بولی۔ ''مجھے تو لگتا ہے جیسے دونوں ہی وقت گزاری کر رہے ہوں۔''

''ہاں، دو کو تو نورین پہلے نمٹا چکی ہے اور فرحان تو شکل سے ہی فلرٹ لگتا ہے۔ گاڑی میں نورین کو بٹھایا ہوتا ہے اور نظر باہر چلتی پھرتی لڑکیوں پر ہوتی ہے۔''

''پھر؟'' نگار بولی۔

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟'' نازش کو اس کے حیران نہ ہونے پر حیرت ہو رہی تھی۔

''حیرت کی بات تو ہے۔'' نگار نے ایک دم بات بنائی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسے کچھ خاص حیرت نہیں ہوئی تھی، جس جگہ سے اس کا تعلق تھا وہاں یہ باتیں کچھ ایسی حیران کن نہیں تھیں، ہاں جس ماحول سے مونا اور نازش کا تعلق تھا۔ وہاں یہ نہ صرف حیران کن تھیں بلکہ معیوب بھی تھیں۔

''کیسا مزہ آتا کہ تم پرائیویٹ پڑھنے کے بجائے ہمارے ساتھ کالج میں ہوتیں۔'' مونا بولی۔ ''پڑھتے تو صرف سائنس کے اسٹوڈنٹ ہیں، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ کس کا افیئر کہاں چل رہا ہے اور اس پر شرط لگاتے ہیں کوک اور سینڈوچ کی۔''

''یہ تو نہ کہو کہ ہم آرٹس والے پڑھتے نہیں ہیں۔'' نازش بولی۔ ''یہ کہو کہ تم نہیں پڑھتیں۔''

''چلو ایسا ہی سہی۔'' مونا ہنسی پھر وہ نگار سے مخاطب ہوئی۔ ''اور نگار ابھی تو یہ بس عام سے ہی قصے ہیں۔ کبھی خاص قصے بھی سناؤں گی۔''

''اچھا ابھی کچھ خاص قصے بھی ہیں۔'' نگار کی ہنسی پھر چھوٹ گئی۔

ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتا ہوا سعد نگار کی ہنسی کی جلترنگ سن کر ٹھٹک گیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں مونا اور نازش کے ساتھ قالین پر بیٹھی ہوئی تھی، ایک کشن اس کی گود میں تھا۔ ہنستی ہوئی وہ اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ سعد اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اگرچہ نگار نے ابھی تک باقاعدہ اس دنیا میں قدم نہیں رکھا تھا لیکن وہ اس قدر بے خبر بھی نہیں تھی۔ اپنے چہرے پر سعد کی نگاہوں کی حدت محسوس کر کے اس نے دروازے کی جانب دیکھا وہ والہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نگار کی نگاہوں کے تعاقب میں مونا اور نازش نے بھی دروازے کی سمت دیکھا۔ سعد کو اس طرح دیکھتا پا کر وہ مسکرا دیں۔

''میرا بھائی تو گیا کام سے۔'' مونا نے آہستہ سے کہا اور ہنس پڑی۔

نگار یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا؟''

''بہت دیر ہوگئی ہے مجھے، ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''کچھ دیر تو ٹھہرو۔'' مونا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''پھر کسی دن۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''وہ اپنی اتنی اچھی سہیلیوں کو کھونا نہیں چاہتی تھی جن کی باتوں میں سادگی تھی، خلوص تھا، شوخی تھی اور جو نارمل زندگی سے اسے متعارف کرانے کا واحد ذریعہ تھیں۔ وہ گھر پہنچی تو زمرد بائی اس کے سر پر پہنچ گئیں۔

''گاڑی تو کافی لمبی ہے ان کی، گھر کیسا ہے؟''

''بس ٹھیک ہے۔'' نگار نے بیزاری سے کہا۔

''بزنس تو خاصا بڑا ہے۔''

''اماں، مجھے کیا پتا۔''

''باپ یا کسی بھائی پر نظر پڑی؟''

''اماں۔'' وہ غصے سے صرف ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ ''نہیں کسی پر نظر نہیں پڑی۔''

''سچ کے سو میٹھا ہو۔'' زمرد بائی نے پاندان کھولا۔ ''اچھا ہے دھیرے دھیرے قدم آگے بڑھاؤ۔ جلدی کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، الٹا مسئلے بڑھتے ہیں۔''

وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

''اماں کو تو ہر وقت صرف ایک ہی بات سوجھتی ہے انہیں بزنس سے غرض ہے۔ انسان چاہے جائیں بھاڑ میں۔'' وہ غصے میں بڑبڑاتی ہوئی مسہری پر گر گئی۔ ''وہ میری سہیلیاں ہیں، کیا میں ان کے بھی باپ اور بھائیوں پر نظر رکھنا شروع کر دوں۔ چھی چھی۔''

تھوڑی ہی دیر میں فضا میں موتیے کی مہک پھیل گئی۔ طبلے پر تھاپ پڑی اور گھنگھروؤں کی جھنکار ہر طرف پھیل گئی۔ رقص و موسیقی نگار کو ہمیشہ پُرسکون کر دیتے تھے۔ کچھ ہی دیر میں اس کی منتشر سوچیں اور پریشان خیالی ختم ہوگئی۔ وہ باہر صحن میں نکل آئی، ہوا

خنک تھی اور تارے پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ ان کے چوبارے کے ساتھ ہی نجو کا چوبارہ تھا۔ وہاں سے مدھم مدھم سرگوشیاں اور دبی ہنسی کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ نگار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر یہ سب باتیں وہ مونا اور نازش کو بتا دیتی تو حیرت کے مارے ان کا شاید ہارٹ ہی فیل ہو جاتا۔

اگلے دن کتھک کی کلاس میں مونا اور نازش سے یوں ملی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ایک بار پھر ان کے وہی قصے تھے اور وہی بے فکری سے بھرپور قہقہے۔ کلاس کے اختتام پر جب وہ باہر نکل کر اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں تو مونا کی سیاہ بیوک کے ساتھ سعد کو ٹیک لگائے دیکھ کر اسے قدرے حیرت ضرور ہوئی تھی لیکن اس قسم کے معاملات میں حیرت ظاہر کرنا اس کی تربیت میں شامل نہیں تھا۔ سو وہ مونا اور نازش کو وِش کر کے بے نیازی سے اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے خیال میں اسی میں عافیت تھی۔ سعد اس کی پشت پر ہلکے سنہرے بالوں کی بل کھاتی لمبی سی چوٹی میں ہی اُلجھ کر رہ گیا۔

اور پھر تو یہ معمول ہو گیا پہلے مونا اور نازش خود آتی تھیں یا ڈرائیور انہیں چھوڑ جاتا تھا۔ لیکن اب یہ ڈیوٹی سعد انجام دیا کرتا تھا۔ دوسری طرف مونا اور نازش سے دوستی مزید گہری ہونے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ان کا یہ اصرار بڑھتا جا رہا تھا کہ نگار ان کے گھر آئے۔ وہ مسلسل بہانے سے انہیں ٹال رہی تھی۔

''یار! تم سے تو کم از کم یہ امید نہیں تھی۔'' ایک دن نازش نے کہا۔ ''نہ تم ہمارے گھر آتی ہو اور نہ کبھی اپنی طرف مدعو کیا ہے۔''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' نگار ایک مرتبہ پھر کوئی بہانا سوچنے لگی لیکن کچھ سمجھ نہ آیا تو بالآخر بادلِ ناخواستہ بولی۔ ''تم لوگ جب چاہو میری طرف آ جاؤ۔''

''تو پھر کل ہی چلتے ہیں۔'' مونا تو جیسے تیار بیٹھی تھی۔ ''ہم بھی تمہاری میزبانی سے لطف اندوز ہوں۔''

''ضرور۔''

گھر پہنچ کر وہ اسی پریشانی میں مبتلا رہی کہ کل کیا بہانا کرے۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ انہیں یہاں نہیں لا سکتی تھی اور یہ بھی کہ اب مزید بہانوں کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کی اتنی اچھی سہیلیاں اس سے بدگمان ہو جائیں گی اور شاید اس کے متعلق کیا سوچنے لگیں۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے اگلے دن نازش کو فون کیا۔ اتفاق سے فون اسی نے ریسیو کیا۔

”میں حیرت سے مر جاؤں گی۔ تم نے کیسے فون کر لیا؟“

”بس یونہی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا اور ایک انفارمیشن بھی دینی تھی۔“

”ہوں، تو اصل بات یہ ہے کہ تم نے کوئی انفارمیشن دینی تھی۔ باتیں کرنے والی بات محض میرے دل کو خوش کرنے کے لیے کہہ رہی ہو۔“ نازش ہنسی۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ سچ مچ تم سے باتیں کرنے کو دل کر رہا تھا ورنہ انفارمیشن تو مونا کو بھی دی جا سکتی تھی۔ اس نے ایک اور جھوٹ بولا حالانکہ مونا کی طرف اس نے صرف اس لیے فون نہیں کیا تھا کہ کہیں سعد فون نہ ریسیو کر لے۔

”میں خوشی سے پھول جاؤں گی۔“ نازش پھر ہنسی۔ ”یہ بتاؤ شام کا پروگرام تو ہے ناں؟“

”ہاں۔ وہ تو ہے لیکن ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔“

”وہ کیا؟“

”نہیں کوئی ایسی گڑبڑ نہیں ہے۔ اصل میں میری خالہ نے کل ہی اپنے تمام سائز کے بچوں سمیت ہمارے گھر پر ہلہ بول دیا ہے۔ اچھے خاصے واہیات بچے پائے ہیں انہوں نے۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہ ڈنر کا وعدہ تو ہے لیکن اتنے لوگوں کی موجودگی میں ہم گھر میں ڈھنگ سے کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔ میں نے ممی سے اجازت لے لی ہے کہ میں تم دونوں کے ساتھ باہر ڈنر کر لوں۔“

”یہ بھی برا نہیں ہے لیکن۔“ پھر وہ قدرے توقف سے بولی۔ ”او کے۔ یہ بتاؤ کہ باہر ڈنر کا ارادہ کہاں ہے؟“

”جگہ کا تعین تم دونوں کرو گی۔ میں تو پہلے ہی اس قدر شرمندہ ہوں کہ کیا بتاؤں۔“ نگار بولی۔

”نہیں یار۔ نو پرابلم۔ ہمیں بھی اچھا نہیں لگے گا کہ ہم تینوں بیٹھے ہوں اور ہمارے اردگرد بچے اچھل کود کر رہے ہوں۔“

”تھینک یو۔ میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم مائنڈ نہ کرو۔“ نگار نے ممنونیت سے کہا۔

”نہیں مائنڈ کرنا کیسا۔“

”اچھا تو اب کلاس میں ملاقات ہوگی۔“ نگار نے اطمینان کی سانس لی اور فون رکھ دیا۔

کلاس کے اختتام پر وہ باہر آئیں تو مونا نے گھڑی دیکھی۔ ”ابھی تو ڈنر میں بہت وقت ہے۔ اتنی دیر میں کیا کریں۔“

”تمہاری طرف چل کر بیٹھتے ہیں۔“ نازش نے تجویز دی۔

مونا نے سوالیہ نگاہوں سے نگار کو دیکھا لیکن وہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھی اس لیے فوراً بولی۔ ”لانگ ڈرائیو کیسی رہے گی؟“

”گڈ آئیڈیا۔“ وہ دونوں چلائیں۔

”تم اپنے ڈرائیور کو چلتا کرو۔“ نازش بولی۔ ”ورنہ کوئی فائدہ نہیں لانگ ڈرائیو کا۔“

نگار نے ڈرائیور کو رخصت کر دیا اور خود اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر وہ تینوں ڈیک پر اونچی آواز میں Hit between the Eyes کے ساتھ سُر ملاتی لاہور کی مختلف سڑکوں پر چکر لگانے کے بعد بالآخر سن کوآنگ جا پہنچیں۔ سن کوانگ نازش کی چوائس تھی۔ ابھی وہ چکن کارن سوپ سے لطف اندوز ہو رہی تھیں کہ مونا کالج میں ہونے والے چند نئے چکروں پر بحث کر رہی تھی۔ جب اچانک نگار کی نگاہ اپنے سامنے لگے آئینے پر پڑی۔

سعد ان کی میز سے کچھ دور ایک اور میز پر اپنے دوستوں کے ساتھ ڈنر کر رہا تھا۔ نگار کی اس کی جانب پشت تھی لیکن وہ آئینے میں واضح طور پر اسے دیکھ سکتی تھی۔

وہ حالات سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اب اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی گرفت سے نکل رہے ہوں۔ اس میں اسے کوئی شک نہیں تھا کہ وہ خواہ مخواہ منہ اٹھائے وہاں نہیں چلا آیا تھا۔ یقیناً مونا نے اسے پہلے ہی بتا دیا ہوگا۔ حالات پر اب اس کا بس نہیں رہا تھا۔ اس لیے وہ چپ چاپ سوپ کے پیالے پر جھک گئی۔

''ہیلو گرلز!'' تھوڑی دیر بعد سعد کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''تم لوگ یہاں کیسے؟''

نگار نے اپنی سحر زدہ کر دینے والی نگاہوں سے ایک نظر اسے دیکھا جیسے اس کے جھوٹ پر اسے ملامت کر رہی ہو اور ایک مرتبہ پھر سوپ کے پیالے پر جھک گئی۔ سعد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہم تو یہاں مدعو تھے۔ آپ بن بلائے کیوں تشریف لے آئے؟'' مونا بولی۔

''بعض اوقات انسان بے بس ہو جاتا ہے۔'' وہ کرسی نکال کر انہی کی میز پر بیٹھ گیا۔

''کوئی جادو کوئی سحر اسے خود بخود کسی رستے پر لے جاتا ہے۔''

''سعد بھائی! اب آپ شکار چھوڑ کر شاعری شروع کر لیں۔'' مونا ہنسی۔ ''ویسے اصولاً آپ کو میزبان سے اجازت لے کر یہاں بیٹھنا چاہیے تھا۔''

''میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' اس نے نگار کی طرف دیکھا۔

''میرا خیال ہے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔'' نگار نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ ''اگر ہمارے ساتھ شریک ہونے آئے ہیں تو بیرے کو طلب کیجیے اور آرڈر پلیس (Place) کر دیں۔''

''نہیں، ہم آپ پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ ویسے بھی لگتا ہے آپ کو ہماری آمد کچھ اچھی نہیں لگی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں اور نہ ہی آپ مجھ پر بوجھ بنیں گے۔''

''لیکن بہتر ہوتا کہ آپ بن بلائے یوں نہ ٹپک پڑتے۔'' مونا نے نگار کی بات اچک لی۔

''اسے کہتے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا کہ:

''بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے۔''

ان کا خیال تھا کہ نگار سعد کو روکے گی اور کچھ نہیں تب بھی محض رسماً، لیکن نگار بدستور سر جھکائے چکن کارن سوپ پیتی رہی۔

''قسم سے نگار، میں نے بھائی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔'' مونا نے سعد کے جانے کے بعد کہا۔

''مجھے پتا ہے۔'' نگار نے اتنی سی بات کہہ کر بات ختم کر دی۔ ''یہ بتاؤ کہ نورین اور فرحان کا کیا رہا؟''

''ان کا کیا ہونا ہے۔ دونوں موقع کی تلاش میں ہیں۔ دونوں میں سے کوئی غلطی کرے اور انہیں بہانا بنا کر ایک دوسرے سے الگ ہونے کا موقع ملے۔''

''بہانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے ہی الگ ہو جائیں۔'' نگار بولی۔

''ایسے کیسے الگ ہو سکتے ہیں بھلا۔'' نازش نے Prawns (جھینگے) اپنی پلیٹ میں ڈالے۔ ''پچھلے سات مہینے سے چکر چلا ہوا ہے اور کوئی بے وفائی کا الزام بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔''

''ایسے جھوٹ کا فائدہ؟'' نگار نے تبصرہ کیا۔

''ہر جگہ جھوٹ چلتا ہے کون جھوٹ نہیں بولتا۔'' نازش نے یوں سر ہلاتے ہوئے کہا جیسے کسی دقیق مسئلے کا حل پیش کر رہی ہو۔

''تعلق میں تو جھوٹ کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن جہاں کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہ ہو وہاں کیا جھوٹ بولنا۔'' مونا نے کہا۔

''اس کے لیے تو پہلے دیکھنا ہوگا کہ تعلق کسے کہتے ہیں۔'' نازش بولی۔

''صاف ظاہر ہے تعلق وہ ہوتا ہے جس میں طمع اور لالچ کو دخل نہ ہو۔'' نگار نے کہا۔

''اور میں نہیں سمجھتی کہ تعلق میں بھی جھوٹ کی کوئی گنجائش ہو۔''

''اور طمع تو صرف تعلقات ہی میں نہیں رشتے ناتے میں بھی موجود ہوتا ہے۔'' نازش بولی۔

''رشتوں میں تو یقیناً ہے لالچ۔ تعلقات میں نہیں ہوتا۔'' نگار بھی پیچھے ہٹنے والی نہیں تھی۔ ''مثلاً میرے اور تمہارے درمیان تعلق ہے لیکن لالچ، طمع اور مفاد سے بے نیاز تعلق۔''

''ویسے میرے خیال میں ہر رشتے میں بھی لالچ نہیں ہوتا اور ہر تعلق بھی ضروری نہیں مفاد سے بالاتر ہو۔'' مونا نے صلح کا جھنڈا بلند کرنے کی کوشش کی۔ ''یہ تو درحقیقت رویے پر منحصر ہے۔''

''چلو مان لیا کہ رشتے ناتے اور تعلق میں لالچ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔'' نگار ہنسی۔ ''تمہاری نورین اور اس کے بوائے فرینڈ کے درمیان کوئی بھی سچا رشتہ یا جائز تعلق نہیں ہے۔ پھر وہ کیوں جھوٹ پر مُصر ہیں۔''

اس کے جائز تعلق کہنے پر مونا اور نازش بھی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''یعنی ناجائز تعلق ہے۔'' نازش ہنستے ہوئے بولی۔

''کیا جائز کیا ناجائز کوئی تعلق نہیں ہے۔'' نگار کو بھی یک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بھی ہنس دی۔

''اب تم یہ نہیں کہہ سکتیں کہ تعلق ہی نہیں ہے۔'' مونا بولی۔ ''تعلق بہرحال ہے اور تمہاری ہی بات سے اچانک مجھے پتا چل گیا ہے کہ ایسے تعلق میں جھوٹ کیوں بولا جاتا ہے۔''

''بتاؤ پھر؟'' نگار نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اس موضوع پر میری معلومات محض کتابی ہیں، اس لیے غلطی کی گنجائش رکھتے ہوئے بات کر رہی ہوں۔'' اس نے نگار کی جانب دیکھا۔ ''تم نے منٹو کو پڑھا ہے؟''

''بس شاید ایک آدھ افسانہ وہ بھی سرسری سا۔''

''کبھی اسے بطور خاص پڑھو، بہت سے سوالوں کا جواب ملتا ہے۔'' مونا بولی۔ ''اس کے ایک افسانے کا کردار ہے سوگندھی، کوئی اس سے محبت نہیں کرتا لیکن اس سے یہ جھوٹ بولنے سے بھی نہیں کتراتا کہ وہ اس سے پریم کرتا ہے اور وہ ہر بار اس جھوٹ کو سچ سمجھتی ہے۔''

''لوگ اس سے یہ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟'' نگار نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

''اس لیے کہ وہ Prostitute (طوائف) ہے۔'' نگار کو پانی پیتے پیتے اُچھو لگ گیا۔

''ارے کیا ہوا؟'' نازش ایک دم گھبرا گئی۔

''کچھ نہیں، اُچھو لگ گیا تھا۔'' اس نے آنکھوں سے بہتا پانی ٹشو پیپر سے صاف کیا۔

''اب سوچو، اس قسم کے تعلق میں بھلا جھوٹ کی کیا گنجائش لیکن پھر بھی جھوٹ چلتا ہے۔'' مونا نے پھر کہا۔ ''مجھے اس افسانے کا ایک فقرہ بہت اچھا لگا تھا۔ منٹو کہتا ہے کہ سوگندھی بھی خوش تھی۔ جسے اصل سونا پہننے کو نہ ملے وہ ملمع کیے ہوئے گہنوں پر راضی ہو جاتا ہے۔''

نگار نے گہری نظروں سے مونا کو دیکھا، کیا وہ اس کے وجود کی حقیقت، اس کی اصلیت سے واقف ہو گئی تھی لیکن مونا کی آنکھوں میں اس کے لیے وہی اعتبار تھا وہی دوستی تھی۔ وہی سادگی اور وہی شوخی تھی۔ جو اس کی ذات کا حصہ تھی۔ نگار نے سینے میں اٹکی سانس بالآخر باہر چھوڑ دی۔

''مجھے دینا یہ افسانہ پڑھنے کے لیے۔''

''ضرور'' مونا بولی۔

اس کے بعد نگار کا جی وہاں سے اُچاٹ ہو گیا۔ سعد تھوڑی دیر بعد آئینے کے ذریعے اسے دیکھتا رہا لیکن نگار تو غائب دماغی کی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ''جسے اصلی سونا پہننے کو نہ ملے، وہ ملمع کیے ہوئے گہنوں پر راضی ہو جاتا ہے۔'' اس کے کانوں میں بار بار مونا کا کہا ہوا فقرہ گونج رہا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' نازش نے تشویش سے پوچھا۔

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنس دی۔

''کچھ پریشان لگ رہی ہو۔'' مونا بولی۔ پھر اس کی نگاہ آئینے پر پڑی۔ ''اوہ آئی سی (I see) آئی ایم سوری نگار!'' میں سعد بھائی کو منع کر دوں گی۔ یقین کرو وہ بالکل بھی ایسے نہیں ہیں۔ ممی کب سے ان سے شادی کے لیے اصرار کر رہی تھیں لیکن وہ بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں تھے لڑکیوں میں۔ ان کے الگ سے اپنے مشاغل ہیں۔ پتا نہیں اب انہیں اچانک کیا ہو گیا ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے وہ بالکل ایسے نہیں تھے۔''

''تم کدھر لے گئیں بات کو۔'' نگار مسکرائی۔ پھر اس نے قریب سے گزرتے ہوئے بیرے سے بل لانے کو کہا۔

''تم نے سعد بھائی کی باتوں کو مائنڈ تو نہیں کیا؟'' مونا نے پوچھا۔

''میں نے منٹو کو تو نہیں پڑھا لیکن چیخوف کو پڑھ رکھا ہے۔ تم ایک چھینک کی اتنی مرتبہ معذرت کر چکی ہو، انجام کیا ہوگا؟'' نگار ہنسی۔

''مونا اور نازش بھی ہنس پڑیں۔

''ہاں خوب معلوم ہے کہ انجام کیا ہوگا۔'' مونا بولی۔

بل دے کر وہ تینوں باہر نکل آئیں۔ سعد بھی ان کے پیچھے ہی باہر آ گیا۔

''مونا، نازش تم دونوں کیسے گھر جاؤ گی؟'' سعد نے پوچھا۔

''اب جب کہ آپ موجود ہیں اور ہم بے کار یعنی بغیر کار کے ہیں تو ظاہر ہے آپ ہی لے جائیں گے۔'' نازش بولی۔

''اور مس نگار آپ؟''

''میرے پاس اپنی کار ہے۔''

''اتنی رات گئے آپ کو پریشانی تو نہیں ہوگی؟ میرا مطلب ہے، چاہیں تو میں چھوڑ آؤں؟'' سعد نے فراخدلانہ پیش کش کی۔

''جی شکریہ۔ ابھی تو صرف نو بجے ہیں، ابھی تو رات شروع ہوئی ہے۔ میں خود چلی جاؤں گی۔'' پھر اس نے دل میں سوچا۔ ''مسٹر سعد آپ کو کیا معلوم میرے نزدیک رات نو بجے دیر نہیں ہوتی۔ اس وقت درحقیقت رات شروع ہوتی ہے۔''

وہ ان تینوں کو بائے کر کے کار میں بیٹھی اور اسے تیزی سے بیک کر کے ایکسلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھاتی گئی۔

اس کی زندگی آہستہ آہستہ بھنور کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ سعد ایک عام لڑکا ہوتا تو نگار کے لیے اسے بے وقوف بنانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

جبکہ اس کا تو تعلق ہی ایسے پیشے سے تھا جہاں حسن اور اداؤں کی قیمت لگا کرتی تھی۔ مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ مونا کا بھائی تھا اور نگار، مونا کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ مونا اور نازش ہی تو تھیں جن کی وجہ سے اس کا تعلق عام اور بے ضرر لوگوں سے قائم تھا۔ رقص کی کلاس میں اس کے ساتھ اور بھی لڑکیاں تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ان دونوں جیسی نہیں تھی وہ اس کے حسن سے متاثر تھیں لیکن اپنی Feelings رَب کر دیتی تھیں۔ اس کی رقص کی صلاحیتوں کی معترف تھیں لیکن اسے داد دینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان سب میں صرف مونا اور نازش ہی تھیں جو اس معاملے میں بخیل نہیں تھیں اور اسی لیے وہ ان کے قریب آ گئی تھی۔

اس دن صبح سے ہی گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور سورج نے سارا دن بادلوں کی اوٹ سے شکل نہیں دکھائی تھی فضا خاصی خنک تھی۔ کلاس سے نکلتے نکلتے ایک دم بارش

شروع ہوگئی۔

صبح سے ہی موسم کے تیور خراب تھے۔ نازش نے ہاتھ دستانوں میں گھسائے اونی مفلر سے گردن کو اچھی طرح ڈھک لیا۔

''یہاں سے کار تک جاتے جاتے تو ہم بالکل ہی بھیگ جائیں گے۔'' مونا نے جیکٹ کے کالر اوپر اٹھا دیئے۔

''یہیں کھڑی رہوگی کیا۔ چلنا تو ہے ناں۔'' نگار بولی۔

''تو بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑیں؟'' نازش نے کہا۔ ''ہمت جمع کرنی پڑے گی۔''

''یہ آتشِ نمرود کہاں ہے، یہ تو طوفانِ نوح لگ رہا ہے۔'' نگار نے موسلا دھار برستی بارش کو دیکھا۔

''پہلا قطرہ کون بنے گا؟'' مونا نے ان کی طرف دیکھا۔

''اب تو بہت سے قطرے گر چکے ہیں۔'' نگار نے قدم آگے بڑھایا اور اس کے پیچھے ہی مونا اور نازش بھی نکل آئیں۔ تینوں آگے پیچھے بھاگتی کاروں کی طرف بڑھیں۔

ڈرائیور نے اسے آتے دیکھا تو دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ''بی بی کار خراب ہوگئی ہے۔'' اس نے چھوٹتے ہی خبر سنائی۔

''کیا؟'' نگار اس اچانک افتاد سے گھبرا گئی۔

''جی گاڑی خراب ہوگئی۔''

''لیکن کیسے؟''

''مجھے کیا معلوم جی۔ صبح سے کھانس رہی تھی۔ اب اچانک ہی انکاری ہوگئی ہے۔''

''اچھے ڈرائیور ہو تم۔'' نگار کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

''اوہو اب یہاں برستی بارش میں اس سے اُلجھتی رہوگی کیا؟'' مونا نے اسے اپنے ساتھ گھسیٹا اور کار کے اندر دھکیل دیا۔ تم نے آج خود کو اور ہمیں ڈبل نمونیہ کرانے میں کوئی

کسر نہ چھوڑی تھی۔'' اس نے کار کا ہیٹر آن کیا۔

''حد ہوتی ہے ناں۔ کار کو بھی خراب ہونا تھا تو ابھی۔'' نگار نے بڑبڑاتے ہوئے ٹشو پیپر سے چہرہ پونچھا۔

''اب بتاؤ تمہیں تمہارے گھر چھوڑوں؟'' مونا نے اگنیشن میں چابی گھمائی۔

''نن۔نہیں۔'' وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔ ''میرا مطلب ہے آج موقع ہے نازش کے گھر چلے چلتے ہیں۔ میں ممی سے کہہ دوں گی کہ کار خراب ہوگئی تھی اس لیے تم لوگوں کی طرف چلی آئی۔''

''اوہو آئی ایم سوری۔ میرے ممی ڈیڈی اور بہن بھائی تو گئے ہوئے ہیں کوئٹہ اور میں آج کل مونا کی طرف ہوں۔ ایک دو دن بعد آئیں گے سب۔ پھر تم چاہو تو کسی بھی وقت آسکتی ہو۔''

''تو پھر مونا کی طرف چلتے ہیں۔'' نگار مرے مرے انداز میں بولی۔

مونا نے کار ڈیفنس کی طرف موڑ لی۔

''کپڑے بھیگے ہوئے ہیں اس لیے ہیٹر بھی بالکل بے کار ہے۔'' نازش نے دستانے اور مفلر اتار کر سیٹ کی بیک پر رکھ دیئے۔

''میرے تو دانت بجنے لگیں گے تھوڑی دیر میں۔'' نگار نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے مسل کر کچھ گرمائش حاصل کرنے کی کوشش کی۔

''بس تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جاتے ہیں۔'' مونا نے کار کی رفتار بڑھائی۔ ''اب دیکھنا میری کار ایف 16 میں تبدیل ہو رہی ہے۔''

اور واقعی تھوڑی دیر میں وہ مونا کے گھر میں تھے۔ کمرے میں پہنچ کر مونا نے وارڈ روب سے تین ہینگر نکالے۔

''سب سے پہلے ان گیلے کپڑوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر کرو۔'' مونا بولی۔

''جلدی سے دو، میں تو سردی سے مرجاؤں گی ورنہ۔'' نازش نے ہیٹر آن کیا۔

''تم دونوں فی الحال یہاں آرام کرو۔ پہلے میں کپڑے تبدیل کرلوں۔'' نگار ایک ہینگر کھینچ کر باتھ روم کی طرف بھاگی۔ نگار کو کافی ٹھنڈ لگ چکی تھی اور گرم گرم بلیک کافی پیتے ہوئے بھی وہ مسلسل چھینک رہی تھی۔

''اللہ کی بندی یہ تمہاری پشت پر پڑی لمبی سی بل کھاتی ہوئی چوٹی بھی بھیگ چکی ہے۔ بخار ہو جائے گا تمہیں اس طرح۔'' نازش بولی۔

''اب کیا کروں۔ یہ اتنی جلدی خشک ہونے والے نہیں ہیں۔''

''یہ لو۔'' مونا نے دراز سے ہیئر ڈرائر (Hair Drier) نکال کر دیا۔

اس نے جلدی جلدی اپنے بال چٹیا کی قید سے آزاد کیے۔

''اسے کہتے ہیں پشت پر گیلے مگر آگ لگاتے گیسو۔'' نازش ہنسی۔

''بالکل غلط۔ آگ اور پانی کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔'' نگار بال خشک کرتے ہوئے بولی۔

''لو خود دیکھ لو تمہاری پشت پر آگ اور پانی اکٹھے ہو گئے ہیں۔''

وہ تینوں ہنس پڑیں۔

''ہاں یاد آیا۔'' مونا اپنے بک شیلف کی طرف بڑھی۔ ''یہ کتاب تمہیں دینا میں بالکل بھول جاتی ہوں۔ روزانہ یاد کرتی تھی اور جاتے جاتے ذہن سے نکل جاتا تھا۔ اسی میں وہ افسانہ ہے جس کا میں نے اس دن ذکر کیا تھا۔''

''کیا نام ہے افسانے کا؟'' نگار نے کتاب الٹ پلٹ کی۔

''ہتک۔'' مونا نے بتایا۔ ''اس کا نام ہتک ہے لیکن اس میں اس کے علاوہ بھی بہت سے اچھے افسانے ہیں۔''

کچھ دیر بعد نازش کی ممی کا کوئٹہ سے فون آ گیا اور وہ فون اٹینڈ کرنے کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے پیچھے مونا بھی کافی کے برتن اٹھا کر نکل گئی۔ نگار نے وقت گزاری کے لیے کتاب کی ورق گردانی شروع کردی۔ ابھی مونا کو نکلے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کمرے کے

دروازے پر دستک ہوئی۔

''مونا ہوگی۔'' اس نے دل میں سوچا اور پھر باآوازِ بلند یس (yes) کہا۔

''اندر آنے والا مونا نہیں بلکہ سعد تھا۔ نگار نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اس کے قریب ہی کشن پر بیٹھ گیا۔

''نگار! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔'' سعد نے کہا۔

''کہیے۔'' نگار نے خود کو سعد کی متوقع بات کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا۔

''میں کبھی کسی لڑکی سے متاثر نہیں ہوا تھا حالانکہ میں بہت سی حسین اور ذہین لڑکیوں سے ملا ہوں لیکن میں نے کبھی کسی پر توجہ نہیں دی تھی۔'' سعد کہہ رہا تھا۔ ''لیکن معلوم نہیں کیوں تمہیں دیکھتے ہی جیسے میں اپنے آپ میں نہیں رہا۔ تم میں صرف حسن و خوبصورتی ہی نہیں ہے۔ ایک اسرار ہے۔ ایک سحر ہے میں اس اسرار کا کھوج لگانا چاہتا ہوں۔ اس سحر سے خود کو آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری زندگی میں آ جاؤ تاکہ...''

سعد نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ نگار کو اس کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔ یوں جیسے وہ کسی گہرے کنویں سے بول رہا ہو۔

''نہیں، میں سوگندھی نہیں ہوں۔'' اس نے سوچا۔ ''سوگندھی ملمع کیے ہوئے گہنوں پر راضی ہو سکتی تھی لیکن میں اس قدر احمق نہیں ہوں۔ ہمارے درمیان تو سرے سے کوئی تعلق ہی موجود نہیں ہے۔ پھر اس کی پریم کہانی میں خود کو الجھانے کا فائدہ؟ ابھی اسے میری اصلیت معلوم ہو جائے تو ساری عشق و عاشقی ہوا ہو جائے۔''

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔ سعد والہانہ انداز میں اسے تکنے لگا۔

''آپ پتا نہیں کس دنیا کی کہانی سنا رہے ہیں مجھے۔'' نگار نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کہنا ہے۔ ''میں نے آپ کو کسی سحر میں گرفتار نہیں کیا۔ رہ گئی آپ کی زندگی میں شامل ہونے والی بات تو یہ بھی ممکن نہیں۔''

''کیوں ممکن نہیں؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''اس لیے کہ قلعہ آپ سے پہلے کوئی اور فتح کر چکا ہے۔''

''کیا؟'' سعد کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''جی۔ میں انگیجڈ ہوں۔''

سعد چند لمحے بے اعتباری سے اسے تکتا رہا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔''

وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ نگار نے ایک گہری سانس لی۔

''چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا'' اس نے سوچا۔

تھوڑی دیر بعد مونا اور نازش ہنستی کھلکھلاتی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''سوری، تم اکیلے میں بہت بور ہوئی ہو گی۔'' مونا نے معذرت کی۔

''نہیں بوریت کیسی۔'' وہ بولی۔ ''لیکن اب ممی کو فون کرنا ہے۔ ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی اور ہر طرف تلاشِ گمشدہ کا اشتہار لگ جائے گا۔''

''ٹھہرو۔ میں یہیں فون لے آتی ہوں۔'' مونا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہارے گھر فون لگ گیا ہے؟'' نازش نے نیل پالش کھرچتے ہوئے پوچھا۔

نگار کو خیال آیا کہ اس نے انہیں اپنا نمبر نہیں دیا ہوا۔ ''نہیں، ممی آنٹی کی طرف گئی ہوئی ہیں وہیں انہیں بتا دوں گی۔''

''مونا فون لے آئی۔ نگار نے نمبر ڈائل کیا۔ فون زرقا نے اٹھایا۔

''ہیلو زرقا ممی ہیں؟''

''ہاں کہو تو بلا لاؤں۔''

''نہیں رہنے دو۔ میں نے بتانا تھا کہ واپسی پر گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے میں مونا کے ساتھ اس کی طرف آ گئی ہوں۔''

''ہاں ڈرائیور نے بتا دیا تھا کہ وہ کار ٹھیک کرا رہا ہے بھیج دوں اسے؟''

''ہاں پلیز۔''

واپسی پر دروازے سے تیزی سے نکلتے ہوئے وہ دوسری طرف سے آتے سعد اور اس کے دوست سے ٹکراتے بچی۔

''سوری۔'' سعد ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔

اس کے دوست نے پُرخیال نظروں سے نگار کی جانب دیکھا۔

''It's Al right'' کہہ کر نگار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

نگار کے ذہن میں سعد کے دوست کی نگاہیں گویا چپک کر رہ گئیں اس کی آنکھیں نگار سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن وہ توجہ دیئے بغیر چلی آئی تھی۔

☆======☆======☆

"کیسی ہیں تمہاری سہیلیاں؟" اماں نے اس سے پوچھا۔

"انہیں کیا ہونا ہے اماں۔ ٹھیک ہیں۔" نگار کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی بیزاری جھلک آئی۔

"تم اتنی اُکھڑی اُکھڑی کیوں رہنے لگی ہو گڑیا۔" کاجل نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"نہیں تو ایسا تو نہیں ہے۔"

"تھک جاتی ہو گی۔" پائل بولی۔ "اماں پر بھی تو بھوت سوار ہے اسے ہواؤں میں اُڑانے کا۔ یہ نہیں دیکھتیں کہ اتنی اُڑان یہ لے بھی سکتی ہے یا نہیں۔"

"لڑکیو، تمہاری اماں پاگل نہیں ہوئی۔ جدی پشتی، کاروباری لوگ ہیں، کوئی کل نہیں آ کے بیٹھے اس کاروباری دھندے میں۔" زمرد بائی چلائیں۔ "میں جانتی ہوں، یہ کیا کر سکتی ہے۔ ارے یہ لڑکی تو سلطنتیں داؤ پر لگوا سکتی ہے۔"

"اماں رہنے دیں۔" نگار وہیں تخت پر بیٹھ گئی۔ "ایک طوائف کے پیچھے کوئی سلطنتیں داؤ پر نہیں لگایا کرتا۔"

"پاگل لڑکی! ایک عام چولہا ہانڈی کرنے والی عورت کے پیچھے بھی کبھی کسی کو کٹتے مرتے دیکھا ہے؟"

"بادشاہتیں یا تو شہزادیوں پر داؤ پر لگا کرتی ہیں یا طوائفوں کے پیچھے۔ تجھے خود بھی

اپنی قدر و قیمت معلوم نہیں ہے لیکن چھوڑ آہستہ آہستہ سب پتا چل جائے گا۔ مردوں کو آلو پیاز چھیلتی بیویاں اور ریں ریں کرتے بچے اتنے اچھے لگتے تو کاہے کو کوئی یہاں کا رخ کرتا۔ یہاں ان کی بیویاں نہیں ہوتیں جو دفتر سے شوہر کے آتے ہی ساس نندوں کے جھگڑوں کی کتھا اسے سنانے بیٹھ جائیں۔ کبھی کسی کے سر میں درد ہے کبھی ٹانگ میں اور شوہر بے چارا ڈاکٹر کے پاس بھی مارا ماری کرے۔ یہاں لوگ اپنے غم بھلانے آتے ہیں وہ غم جو انہیں ان کے گھر سے ان کے بنائے ہوئے معاشرے سے ملتے ہیں۔"

"اماں! وہ تو یہاں اپنے غم دھو جاتے ہیں۔ ہم اپنے غم دھونے کہاں جائیں؟" نگار نے مدھم تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہر چیز کے حصول کے لیے قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ مرد اپنے غم یہاں پھینکتے ہیں، خوشیاں وصول کرتے ہیں پیسہ دے کر، ہم ان کے غم سمیٹتے ہیں، انہیں خوشیاں فراہم کرتے ہیں پیسہ لے کر۔ یہ تو لین دین کا بنیادی اصول ہے۔ پیسہ ہر غم دھو ڈالتا ہے۔ وہ پیسہ لٹاتے نہیں تھکتے تو ہم سمیٹ کر کیوں تھکیں، ویسے بھی ہماری کمائی کب تک چلتی ہے۔ اچھا ہے دکان بڑھانے سے پہلے جتنا کچھ سمیٹ سکتے ہیں سمیٹ لیں۔"

"اماں! وہ انجم ہے ناں۔ سنا ہے وہ اکبری منڈی والے کے ساتھ بھاگنے کے چکر میں ہے۔" پائل نے لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہا۔

"حد ہے۔ توبہ توبہ۔" زمرد بائی نے کلّوں کو ہاتھ لگائے۔ "ایک ہی ایک کمانے والی ہے اس لیے نخرے کرتی ہے۔ وہ لے بھی گیا تو واپس یہیں پھینک جائے گا مہینے دو مہینے میں۔ مفت میں ملے تو بھلا اسے برا کیا ہے؟"

"اماں! کون سی انجم؟" نگار نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ارے اپنی نجو۔"

"اچھا نجو۔" نگار اور اس کے کمرے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ کبھی جو نگار تاروں کی چھاؤں اور ٹھنڈی ہوا میں باہر نکلتی تو اسے سب آوازیں بخوبی سنائی دیتیں۔

''ہاں کوئی آتا تو ہے وہاں۔'' نگار ہنس پڑی۔''ذرا باہر نکلوں تو سب سنائی دیتا ہے۔ لیکن میں بہت اچھی لڑکی ہوں سنتی نہیں ہوں کچھ۔''

''لو سارے بازار میں چرچا ہے اس کا۔'' زرقا نے کہا۔''بیوپاری ہے۔ پڑھا لکھا زیادہ نہیں ہے۔ پر بہت پیسہ ہے اس کے پاس۔''

''اچھا لڑکیو، اب دیر نہ کرو۔ جلدی جلدی تیار ہو جاؤ!'' زمرد بائی نے عادت کے مطابق انہیں حکم دیا۔''استاد جی، پیارے خان آپ دونوں بھی تیار ہو جائیں۔''

''بائی جی ہم تو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ آپ بس حکم کریں۔''

نگار اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر تک وہ اپنی انگریزی کی کتاب پڑھ کر نوٹس بناتی رہی۔ جب تھک گئی تو کتاب کاپی میز پر پھینک کر بیگ سے مونا کی دی ہوئی کتاب نکالی اور بستر میں گھس گئی۔

نگار نے ہتک افسانہ پڑھنا شروع کیا۔ افسانہ دلچسپ تھا لیکن صرف ان کے لیے جن کا تعلق اس ماحول سے نہیں تھا۔ نگار کے لیے وہ قطعاً دلچسپ نہیں تھا۔ اس کے لیے وہ بے حد ناگوار تھا لیکن وہ پڑھتی گئی۔ اس حقیقت کی تلاش میں کہ جہاں کوئی تعلق، کوئی ناتا نہ ہو، وہاں لوگ جھوٹ کیوں بولتے ہیں۔ افسانہ پڑھتے پڑھتے اس کے چہرے کے عضلات کھنچتے گئے۔ ہونٹ بھنچ گئے، مشکلوں سے افسانہ ختم کیا اور کتاب دروازے پر دے ماری۔

''بکواس، نرا جھوٹ، ٹریش۔'' وہ چلائی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ نہ یہ سب بکواس ہے نہ جھوٹ اور نہ ٹریش۔''کوئی سوگندھی کی ہتک کیوں کرے؟ کسے حق پہنچتا ہے اس کا؟ یہ لوگ اپنے گریبانوں میں کیوں نہیں جھانکتے۔ یہ کون سا سوگندھی سے بہتر ہیں کہ اسے رد کر کے چلتے بنیں۔'' لیکن اس کی آواز اس کے چھوٹے کمرے میں ہی گونج کر رہ گئی۔ اس نے چشمِ تصور سے وہ وقت دیکھا جب وہ بالکل تنہا ہوگی۔ جب اس کا دور ختم ہو جائے گا۔ آج اماں سے لوگ میری تصویر دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ اس ہیرے کو کہاں چھپا رکھا ہے لیکن

آنے والے کل میں میرے پاس کچھ نہیں ہوگا سوائے اپنے خالی دامن کے اور چند یادوں کے۔ آج جو لوگ میری آنکھوں کی روشنی دیکھ کر سحر زدہ رہ جاتے ہیں کل جب یہ روشنی تھک کر گل ہونے کے لیے ٹمٹمانے لگے گی تو کوئی اس کے سحر میں قید نہیں ہوگا۔ آج جو لوگ میرے لمبے سنہری بالوں کی زنجیر میں جکڑے جا رہے ہیں کل ان بالوں میں جب سفیدی اُتر آئے گی تو کیا ہوگا؟ پھر لوگ مجھے بھی اسی طرح اونہہ کر کے چلتے بنیں گے۔ جیسے سوگندھی کے ساتھ ہوا تھا۔ جھوٹے اور ملمع کیے ہوئے گہنے بھی چھین لینے کے لیے۔

اس نے اپنے لمبے بالوں کو دونوں مٹھیوں میں بھینچ لیا۔ کتنی دیر تک وہ ایسے ہی بیٹھی رہی لیکن پھر اسے ایسے لگا کہ سارا کمرہ سوگندھی کی ہتک سے بھر گیا ہے۔ ہر طرف سے ''اونہہ'' کی صدائیں آ رہی ہیں۔ اسے یوں لگا جیسے سوگندھی نہیں وہ رد کی جا رہی ہو۔ اور ایک بار نہیں بار بار رد کی جا رہی ہو۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے رضائی ایک طرف پھینکی اور کمرے سے باہر خنکی میں نکل آئی۔ کھلی ہوا میں چند گہرے سانس لیے اور جنگلے کا سہارا لے کر آسمان کو تکنے لگی جہاں بادلوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں روشن اور شفاف ستارے بھی دکھائی دے رہے تھے لیکن چاند بادلوں کی اوٹ میں تھا۔ تھوڑے حواس درست ہوئے تو اسے نجو کے کمرے سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ موتیے کی مہک طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار کے پس منظر میں اسے یہ ابھرتی سسکیاں بہت پُراسرار لگیں۔ وہ جنگلے پر پیچھا اور سرک کر نجو کے چوبارے کے قریب ہو گئی۔

''یہاں تو ہمیشہ گھنگھرو بولتے تھے۔ مدھم مدھم سرگوشیاں ہوتی تھیں، دبی دبی ہنسی ابھرتی تھی۔ پھر آج یہ سسکیاں کیسی۔'' اس نے سوچا۔

''یہ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔'' سسکیوں کے درمیاں نجو کی آواز ابھری۔ تمہارے لیے تو میں ہر ایک سے ٹکرا گئی ہوں اور جب میں نے ساری کشتیاں جلا دی ہیں تو تم کہہ رہے ہو کہ تم اس کے لیے تیار نہیں ہو۔''

نگار منتظر تھی اس اکبری منڈی کے بیوپاری کا جواب سننے کے لیے۔

''تم تو احمق ہو، تمہارا کیا خیال تھا کہ میں تمہیں بھگا لے جاؤں گا۔'' مرد کے لہجے میں تندی تھی۔

''تو وہ کیا تھا؟'' نجو چیخ پڑی۔ ''وہ تمہاری پریم کہانیاں، وہ کتھائیں جو تم مجھے سنایا کرتے تھے، وہ امیدیں جو تم نے مجھے دلائی تھیں، کیوں جھوٹ بولا تم نے؟ کیوں؟ کیوں؟ مجھے تم نے کہیں کا نہیں چھوڑا کیوں کیا تم نے ایسا؟''

''تو کیا چاہتی تھی کہ میں تجھے اپنے گھر لے جاؤں۔'' غالباً اس نے نجو کو دھوکا دیا تھا۔ ''وہاں میرے بیوی بچے ہیں۔ ان کے پاس لے جاتا تجھے۔ اپنا گھر برباد کرتا تیرے واسطے، روپے پیسے کے بدلے بکنے والی بازاری عورت۔'' مرد کے لہجے میں کاٹ تھی، نشتر تھے جن سے وہ روح کو چیر رہا تھا۔ ''تجھے اپنی بیوی پر سوکن بنا لاتا؟''

نگار کے دماغ پر جیسے کوئی ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ کسی نے اس کا سارا جسم سن کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر طرف سے صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

''پیسوں کے بدلے بکنے والی عورت۔''

ہر چیز قہقہے لگا رہی تھی۔ سوگندھی اور نجو کی ہتک پر۔ خود نگار کی ہتک پر۔ آسمان ہنس رہا تھا۔ ستارے اس کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ ان کی ہنسی سن کر چاند بھی بادلوں کی اوٹ سے نکل کر استہزائیہ انداز میں گھور رہا تھا۔ زمین اس کے پاؤں تلے سے کھسک رہی تھی۔ وہ اندھا دھند اندر بھاگی۔ کانپتے ہاتھوں سے ابھی اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ نیم تاریک گہرائی میں کسی نے اسے پکارا۔

''نگار۔''

کسی جانی پہچانی آواز نے بہت واضح طور پر اس کا نام لیا تھا۔ وہ رک گئی۔ وحشت زدہ نگاہوں سے اس نے مڑ کر دیکھا۔

''تم ہر روپ میں غضب ڈھاتی ہو۔ جانتی ہو جب شکاری ہرن شکار کرنے لگتا ہے تو اس خوفزدہ ہرن کی آنکھیں کیسی ہوتی ہیں۔ بالکل ویسی جیسی اس وقت تمہاری ہیں۔''

نگار وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ دروازے کے ہینڈل پر مضبوطی سے جمے ہوئے اس کے ہاتھ کی گرفت ایک دم کمزور پڑ گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سعد وہاں آ سکتا ہے۔ یہاں اس کے کمرے کے پاس جہاں آج تک کوئی مرد نہیں آیا تھا۔

''آپ؟'' اس کے منہ سے صرف اس قدر نکل سکا۔

''ہاں میں۔ میری آمد کچھ ایسا انوکھا واقعہ بھی نہیں ہے۔'' وہ ایک ہاتھ دیوار پر لگاتا ہوا بولا۔ ''یہاں تک تو میرے علاوہ بھی نہ جانے کتنے آئے ہوں گے۔''

نگار نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن سارے الفاظ نہ جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔ دور دور تک جیسے مہیب خلا تھا جس میں برہنہ پاؤں چلتی جا رہی تھی لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''میں تو تمہیں ایک معزز اور باوقار بندھن میں باندھنے کی بات کر رہا تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہیں بندھنوں میں نہیں باندھا جا سکتا کیونکہ گھر کی چار دیواری تمہارے قبیل کے لیے بنی ہی نہیں ہے۔ یہ قلعہ تو کوئی بھی فتح کر سکتا ہے چند ٹکوں کے عوض۔'' سعد کے ہونٹ تمسخر سے سکڑ گئے۔ ''میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں، ہر حال میں بتاؤ کتنے ٹکوں کے عوض تم میرے پہلو میں آ سکتی ہو۔''

نگار کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ ہتک، ہتک، ہتک سوگندھی کی ہتک۔ نجو کی ہتک اور اب نگار کی ہتک۔ زمین سرک رہی تھی۔ آسمان قہقہے لگا رہا تھا۔ ایک ایک چیز پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔

''پیسوں کے بدلے بکنے والی عورت۔''

ہر چیز نگار کی نگاہوں کے سامنے گردش کر رہی تھی۔ چھت چکر کھا رہی تھی۔ کھڑکیاں زور زور سے بج رہی تھیں۔ اوپر لگا بلب پوری قوت سے ہل رہا تھا۔ نگار نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ اس طوفان سے نکلنا چاہتی تھی۔ اس بھنور میں گھومتے گھومتے اس نے بھی تنکے کا سہارا تلاش کر لیا۔

''اماں۔'' وہ پوری قوت سے چیخی اور چیختی چلی گئی۔ بھاگتے قدموں کی آواز آئی اور وہ وہیں دروازے کے پاس ڈھیر ہوگئی۔

☆======☆======☆

تمکین کی منگنی کے بعد امی نے زور و شور سے اس کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ویسے تو تقریباً سبھی کچھ بنا ہوا تھا لیکن پھر بھی چھوٹے چھوٹے نہ جانے کتنے کام بکھرے ہوئے تھے۔ دوسری طرف زین کی امی نے اسے بتا دیا تھا کہ بری اسی کی پسند سے بنے گی۔

''پہننے والی تم ہو۔ تمہیں ہی کچھ پسند نہ آیا تو کیا فائدہ؟ پیسے بھی خرچ ہوں اور زیور کپڑا تن سے بھی نہ لگے تو کیا فائدہ۔'' انہوں نے کہا۔

تمکین کو ان کی یہ بات اچھی لگی تھی۔

''ہر کوئی تمہاری ساس کی طرح سوچنے لگے تو دنیا ہی بدل جائے۔'' صوفیہ کو پتا چلا تو اس نے تبصرہ کیا۔ ''کاش میری ہونے والی ساس بھی ایسی ہی اچھی ہوتی لیکن توبہ کرو۔ ہمارے گھر آ کر تو وہ مجھے اٹھتے بیٹھتے ایسے گھورتی ہے کہ سانس حلق میں اٹک جاتا ہے۔ صحیح ہونے والے کام بھی ضرور غلط ہوتے ہیں۔ کبھی پیالی ہاتھ سے پھسلتی ہے اور کبھی گلاس چکنا چور ہوتا ہے۔ اوپر سے امی کی ڈانٹیں الگ سنو کہ سسرال جانے سے پہلے یہ لڑکی گھر کا تنکا تنکا تک ڈسٹ بن کی نذر کر کے جائے گی۔''

اس وقت تمکین پلنگ پر بیٹھی اپنے دوپٹے پر کرن لگا رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''زین بول رہا ہوں۔''

تمکین کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔ وہ چپ ہوگئی پھر بولی۔ ''ابو اور امی گھر پر نہیں ہیں۔''

''بات تو آپ سے کرنی تھی۔'' زین کے لہجے میں شوخی تھی۔

''جی؟'' تمکین کو ہرگز اس بات کی توقع نہیں تھی۔

''کیوں، آپ نہیں کرنا چاہتیں بات؟'' شاید وہ اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

تمکین کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کی بات کا کیا جواب دے۔ بات وہ اس سے کر نہیں سکتی تھی لیکن انکار کرنے سے اس کے خفا ہونے کا اندیشہ تھا۔ پتا نہیں کیسا مزاج ہے اس کا کہیں وہ بھی اس پر سڑے ہونے کا لیبل نہ لگا دے۔ وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ زین بول اٹھا۔

''بھئی امی بات کرنا چاہتی ہیں آپ سے۔ نہیں کرنی بات تو فون بند کر دوں کیا؟''

تمکین ایک دم ہنس پڑی۔ ''کرا دیں بات۔''

''کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس وقت میں آپ کو دیکھ سکتا۔ ہنستی اچھی لگتی ہیں۔''

''میں فون بند کر رہی ہوں۔'' اس نے ہونٹ کاٹ کر بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

''ارے نہیں۔ آپ بات کریں امی سے۔'' پھر وہ امی کو آوازیں دینے لگا۔ ''امی! آئیں بات کر لیں اپنی ہونے والی بہو سے۔''

دوسری طرف تمکین اس کی بات سن کر مسکرا دی۔ تھوڑی دیر بعد ریسیور زین کی امی نے تھام لیا۔ کچھ دیر سلام دعا کرنے کے بعد وہ بولیں۔

''کب چل رہی ہو بری خریدنے؟''

''آنٹی! جب آپ کہیں۔''

''تو چلو کل چلتے ہیں۔ زین بھی فارغ ہے، لے چلے گا۔''

''جی!'' اسے دھچکا لگا۔ آنٹی ایک حد تک روشن خیال تھیں لیکن اس کی امی شاید یہ کبھی پسند نہ کرتیں۔ پر اس بات کا اظہار وہ ندا کے سامنے تو کر سکتی تھی۔ آنٹی کے سامنے نہیں۔ ''جی آنٹی۔''

''اور تم ابھی کیا کر رہی تھیں؟''

''کرن لگا رہی تھی دوپٹے کو۔'' اس نے بتایا۔ ''ندا گھر پر ہے؟''

''ہاں۔ بات کرنی ہے؟''

''جی کرا دیں پلیز۔''

''کہاں گم رہتی ہو۔'' ندا نے آتے ہی شکوہ شروع کر دیا۔ ''میں ہی فون کروں تو کروں۔ تم تو پوچھتی ہی نہیں ہو بالکل۔''

''اتنا شکوہ۔'' تمکین ہنس پڑی۔ ''بھلا یہ اچھا لگے گا کہ میں روز روز سسرال فون کر رہی ہوں۔ یہ جو ڈھائی بال ہیں میرے سر پہ، یہ بھی امی نہ رہنے دیں۔''

ندا بھی ہنس دی۔ ''تو امی کے ڈر سے ترسا رہی ہو میرے بھائی کو۔ پتا ہے تمہاری منگنی کے دن والی تصویریں اتنی بڑی کر کے لگا لی ہیں انہوں نے گھر میں ہر طرف۔''

''سچ؟'' تمکین حیران تھی۔

''تو اور کیا۔ میں اور امی تو ان کا پاگل پن دیکھ کر ہنستے ہیں۔ انہیں تو تمکینیز یا ہو گیا ہے۔'' ندا بولی۔ ''اور پتا ہے ابھی میں فون ملانے لگی تھی تو میرے ہاتھ سے ریسیور لے لیا کہ میں خود ملاؤں گا اور پھر ابھی مجھے ہنستے ہوئے بتا رہے تھے تمہاری بوکھلاہٹ کے بارے میں۔''

''تم سے میں تو پریشان ہو گئی تھی اور ہاں۔'' اسے اچانک یاد آ گیا۔ ''آنٹی کہہ رہی تھیں کہ کل وہ فارغ ہوں گے تو وہی شاپنگ پر لے جائیں گے۔''

''ہاں۔ کیوں؟''

''امی کبھی اجازت نہیں دیں گی۔'' تمکین نے بے چارگی سے کہا۔

''میں لے لوں گی اجازت۔ پھر امی بھی ساتھ ہوں گی مسئلہ یہ ہے کہ گھر والا ڈرائیور چھٹی پر ہے اور زین بھائی کو اس پر بہت اعتماد ہے۔ آفس والے ڈرائیور کو وہ گھر کی ذمہ داری نہیں دیتے۔ اس لیے ظاہر ہے ڈرائیونگ تو زین بھائی کو ہی کرنی پڑے گی کیونکہ مجھے

تو آتی نہیں۔''

''مجھے پتا ہے، امی نہیں مانیں گی۔''

''کیسے نہیں مانیں گی۔ ایک تو سفارش اتنی تگڑی ہو گی اور پھر تمہاری پسند کے بغیر بَری کیسے بنے گی؟''

''امی نے کہنا ہے کہ میری پسند کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ تو اچھی خاصی گڑبڑ ہے لیکن خیر یہ مجھ پر چھوڑو سنبھال لوں گی میں۔''

''تم تو وقتی طور پر سنبھال کر گھر چلی جاؤ گی۔ میں نے ابھی مزید کچھ عرصے یہاں رہنا ہے۔''

''تم فکر ہی نہ کرو۔ میں کچا کام کرنے کی عادی نہیں ہوں۔''

فون رکھ کر تمکین دوبارہ دوپٹے میں کرن ٹانکنے لگی۔

''امی کو بتا دوں یا نہیں۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''یہ تو خیر بتانا ہی ہو گا کہ آنٹی کا فون آیا تھا لیکن یہ بتانا مشکل ہو گا کہ شاپنگ پر وہ لے جائیں گے۔ امی نے تو اسی وقت حکم صادر کر دینا ہے کہ بے شک سر درد کا بہانا ہی بنانا پڑے تم نے نہیں جانا ہے پر مسئلہ یہ ہے کہ میں امی سے کچھ چھپا بھی تو نہیں سکتی۔ مجبوری ہے۔ بتانا ہی پڑے گا۔''

لیکن اس وقت اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب اس نے مناسب کاٹ چھانٹ کے ساتھ انہیں آنٹی کے فون کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا۔

''میں تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں۔ وہ اجازت دیں تو چلی جانا۔''

وہ ابو کی عدالت کے فیصلے کی منتظر تھی۔ اتنی زیادہ اجازت نہ سمیعہ آپا کو ملی تھی اور نہ اسماء کو اور یہاں تو زین کے گھر والے پہلے ہی بہت لبرٹی لے جا چکے تھے ورنہ ان کے خاندان میں تو کبھی بھی منگنی کی انگوٹھی خود لڑکے نے لڑکی کو نہیں پہنائی تھی۔ امی ابو نے اس کی اجازت اس لیے دی تھی کہ تمکین انہیں اپنے بچوں میں سب سے زیادہ پیاری تھی لیکن اپنے منگیتر کے ساتھ باہر نکلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پورے خاندان میں اس کی

مثال نہیں ملتی تھی۔

''آپ کس پریشانی میں مبتلا ہیں بجو۔'' اس کے کمرے میں بیٹھ کر پڑھتے ہوئے مُنو نے اسے منہ لٹکائے دیکھا تو پوچھا۔

''تم یہ پریشانی حل نہیں کر سکتے اس لیے چپ چاپ کتاب میں سر گھسا دو۔''

''وہ شاعر نے میرے لیے ہی کہا ہے کہ ۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس لیے جب تک آپ منہ لٹکائے بیٹھی رہیں گی تب تک میں پڑھ نہیں سکوں گا۔''

''تمہارے مطلب کی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر رباب یا صوفیہ سے مشورہ لے لیں۔'' مُنو نے مشورہ دیا۔

''اس سلسلے میں وہ بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔''

''تو پھر کون یہ مسئلہ حل کر سکتا ہے؟''

''صرف ابو جی لیکن نہیں مسئلہ تو وہیں کھڑا رہے گا پھر بھی۔''

''اوہو، پھر تو واقعی بہت گھمبیر مسئلہ ہوگا۔ مجھے بتائیں شاید میں حل کر سکوں اور اگر حل نہ کر سکوں تب بھی مجھ سے کہہ سن کر کم از کم آپ کے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جائے گا۔''

''سوچنے دو تمہیں بتاؤں یا نہیں۔'' تمکین بولی۔

''بتا دیں بجو۔ راز داری کا وعدہ کرتا ہوں۔''

تمکین نے اسے بھی مناسب کاٹ چھانٹ کے ساتھ ساری بات بتا دی۔

''لیکن اس میں مسئلہ کیا ہے؟ میرے خیال میں تو ابو آپ کو اجازت دے دیں گے کیونکہ کم از کم آپ کی حد تک وہ اس قدر تنگ نظر بھی نہیں ہیں۔''

''بات یہ نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟''

''دیکھو اگر ابو اجازت نہیں دیں گے تو ہو سکتا ہے وہ خفا ہو جائیں اور اگر دے دیں گے تو اس کے لیے ابو کو اپنا ایک اصول توڑنا پڑے گا۔ یہ دونوں باتیں ہی غلط ہوں گی۔''

''یہ بتائیں آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''اول تو میں یہ چاہتی تھی کہ اس قسم کی صورتِ حال پیدا نہ ہو۔''

''یعنی یہ کہ ان کا ڈرائیور چھٹی پر نہ جائے۔'' مُنو بولا۔ ''اور اب جب کہ ایسا ہو گیا ہے تو پھر؟''

میرے چاہنے نہ چاہنے کی بات نہیں ہے۔''

''یہی تو غلط بات ہے۔'' مُنو نے ہاتھ میں پکڑی پنسل کو زور زور سے فضا میں لہرایا۔

''زندگی آپ کی ہے، اس پر کم از کم اتنا اختیار تو اپنا رکھیں کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر سوچ سکیں اس پر ایک رائے رکھ سکیں۔ ہر فیصلے کے لیے امید بھری نگاہوں سے اپنے بڑوں کی جانب کیوں دیکھتی ہیں آپ؟ ایک طرف آپ کو یہ فکر ہے کہ آپ کے وہ خفا نہ ہو جائیں۔ دوسری جانب آپ کو ابو کے اصول ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ کمال ہے۔''

''تم لڑکی نہیں ہو، اس لیے لڑکیوں کے مسائل نہیں سمجھ سکتے۔''

''ان خود ساختہ مسائل کو میں کیا ارسطو اور افلاطون بھی نہ سمجھ سکتے اگر آج وہ یہاں ہوتے۔'' مُنو بولا۔ ''اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اصول انسانوں کی سہولت کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ انسان اصولوں کی بھینٹ چڑھنے کے لیے نہیں بنائے گئے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر آپ جانا چاہتی ہیں تو ساری جھجک ختم کر کے چلی جائیں اور نہیں جانا چاہتیں تو دو ٹوک الفاظ میں منع کر دیں۔ اتنی سی بات پر اگر کوئی شخص خفا ہوتا ہے تو ایسے شخص کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''تمہاری منطق دنیا جہان سے نرالی ہے۔'' تمکین کا موڈ آف ہو گیا۔

''بجو! میں غلط نہیں کہہ رہا۔ کوئی رائے تو آپ کی اپنی بھی ہونی چاہیے۔''

''توبہ ہے، تم سے تو بات کر کے ہی میں پھنس جاتی ہوں۔ چلو کتاب کھولو اپنی۔''

پھر مُنو کی مزید باتوں سے بچنے کے لیے اس نے رسالہ کھول لیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ امی کمرے میں داخل ہوئیں۔ تمکین کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

''میرا خیال ہے تم چلی جانا ان کے ساتھ۔'' امی نے فراخدلی سے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔ ''اس کی امی اور بہن ساتھ ہوں گی اس لیے کوئی حرج نہیں ہے۔''

''امی اگر آپ کو پسند نہیں ہے تو میں نہیں جاؤں گی۔''

''بجو!'' مُنو کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ ''ہر کام شروع کرنے سے پہلے دوسروں کے ماتھے پر تیوریاں مت تلاش کیا کریں کیوں ہر وقت آپ کو دوسروں کی پسند ناپسند کا خیال رہتا ہے۔''

''تم چپ کرو لڑکے!'' امی نے اسے گھورا۔ ''تم ضرور کوئی چاند چڑھاؤ گے اس کا مجھے یقین ہے۔'' پھر وہ تمکین کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔ ''بچیوں کو ایسا ہی سعادت مند ہونا چاہیے۔ ورنہ سسرال میں عزت دو کوڑی کی ہو جاتی ہے۔''

''ہاں امی، آپ پڑھائے جائیں بجو کو الٹی پٹیاں۔ کبھی اکیلے انہیں دنیا کا سامنا کرنا پڑا تو حالات کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتی رہ جائیں گی۔ اتنا ڈرپوک بنا دیا ہے انہیں آپ نے۔''

''منو! تم تو ابھی سے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو۔ میٹرک میں کیا آئے ہو سمجھتے ہو، بہت بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ ہر چیز پر فتویٰ صادر کر سکتے ہو اب۔'' امی تو غصے سے کھول اٹھیں۔ ''یعنی میں اُلٹی پٹیاں پڑھاؤں گی اپنی بیٹی کو شرم کرو شرم۔''

''امی یہ تو جو منہ میں آئے بول دیتا ہے۔ سچ مچ نہیں کہہ رہا آپ کیوں غصہ ہوتی ہیں۔ بچہ ہے آہستہ آہستہ خود ہی عقل آ جائے گی۔'' تمکین نے ہمیشہ کی طرح مُنو کے دفاع کی کوشش کی۔

''میں سب جانتی ہوں اس کی حرکتیں۔ کتابیں پڑھ پڑھ کے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب اماں باوا پاگل دکھائی دینے لگے ہیں اسے۔''

''چھوڑیں بھی۔ اس نے تو صرف مذاق کیا تھا۔ آپ آئیں میں آپ کو دکھاؤں۔ آج تین دوپٹوں کے کنارے بنائے ہیں میں نے۔'' تمکین انہیں باہر لے گئی۔

''عقل کی بات تو یہاں کوئی سنتا ہی نہیں۔'' مُنو کتاب پر جھک کر بڑبڑایا۔ ''سب ہی لکیر کے فقیر ہیں۔''

صبح وہ اس شش و پنج میں مبتلا تھی کہ کون سے کپڑے پہنے۔ اسے کپڑوں اور ہینگروں کے ساتھ الجھتے دیکھ کر امی اس کے پاس چلی آئیں۔

''کوئی سادہ سا سوٹ پہن لو۔ اچھا لگے گا۔'' امی نے مشورہ دیا۔ ''یہ نیلا ہی پہن لو۔''

''جی اچھا۔'' کہہ کر اس نے سوٹ ہینگر سے اتار لیا۔ تیار ہو کر اور بالوں کو نیلے بینڈ میں باندھ کر اس نے آئینے میں تنقیدی نگاہوں سے اپنا جائزہ لیا۔

''ہوں ٹھیک ہی ہے۔'' اس نے قدِ آدم آئینے کے سامنے خود کو ہر زاویے سے دیکھا اور کسی قدر مطمئن ہو گئی۔

ابھی اسے تیار ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ زین کی امی اسے لینے آ گئیں۔ ندا بھی ان کے ساتھ اندر چلی آئی۔ زین البتہ کار میں ہی تھا۔

''آنٹی کے مزاج کیسے ہیں؟'' ندا نے اس سے سرگوشی کی۔

''ٹھیک ہیں۔''

''تو میں بات کرتی ہوں۔ بڑی زوردار تقریر تیار کر کے آئی ہوں۔ دیکھنا آنٹی یوں ایک منٹ میں اجازت دے دیں گی۔''

تمکین نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ امی اسے پہلے ہی اجازت دے چکی ہیں۔ وہ ہنس کر چائے بنانے کچن میں چلی گئی۔

''تم تو کہہ رہی تھیں کہ آنٹی کبھی اجازت نہیں دیں گی لیکن آنٹی تو اتنی اچھی ہیں۔ اِدھر بات کی اُدھر اجازت دے دی اور وہ جو میں نے اتنی محنت سے کل تقریر کی تھی وہ ویسی

کی ویسی ہی رہ گئی۔''

''اچھا؟'' تمکین نے ٹرالی میں برتن سجائے۔ ''حیرت ہے۔'' پھر اسے اچانک کچھ یاد آیا۔ ''وہ باہر کار میں ہی بیٹھے ہیں؟''

''جی نہیں آپ کے وہ اندر بلا لیے گئے ہیں۔'' ندا نے ڈبے سے ایک بسکٹ نکالا۔

''ندا پلیز امی کو بلا لاؤ گی؟''

''بلا لاتی ہوں لیکن ابھی ان کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ ٹرالی لے جانا تھی۔''

''اتنا گھبراتی کیوں ہو۔ وہاں کوئی غیر تو نہیں بیٹھے ہوئے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ گھبراہٹ میں مجھ سے کچھ نہ کچھ غلط ہو جائے گا۔ اچھے خاصے امپریشن کا ستیاناس ہو جائے گا۔''

''بڑی فکر ہے امپریشن کی۔'' ندا نے اسے چھیڑا۔

''اب تم تو نہ تنگ کرو پلیز امی کو بلا دو۔''

''آنٹی کو کیا بلانا ہے، میں خود ہی لے جاتی ہوں۔'' ندا ٹرالی دھکیلتی ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئی اور تمکین وہیں کچن میں ٹھہر گئی۔

''بڑی بے مروت ہو۔'' ندا چائے کا کپ ہاتھ میں اٹھائے کچن میں آ گئی۔ ''اتنی امید بھری نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے زین بھائی۔ اس وقت ان کی شکل دیکھنے والی تھی جب تمہاری جگہ میں اندر داخل ہوئی۔''

''اب اتنے بے تاب بھی نہ ہوں گے۔'' تمکین بولی۔

''واہ جی واہ۔ انہیں تو تمکینیز یا ہو گیا ہے۔ تمہارے فراق میں مرے جا رہے ہیں وہ اور تم کہتی ہو کہ بے تاب نہیں ہوں گے۔ وہ تو امی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں نکاح کرنے کے لیے کہ اس طرح کم سے کم تم بات تو کرو گی۔''

''حیرت ہے۔'' تمکین ہنسی۔

''حیرت تو ہمیں ہے۔ پہلے ہم زین بھائی سے شادی کے لیے منتیں کرتے تھے لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ ایسی جلدی کیا ہے اور اب یہ حال ہے کہ تمہیں پہلی مرتبہ دیکھنے کے بعد سے لے کر آج تک ہمارا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔''

''پہلی مرتبہ تو شاید انہوں نے مجھے غور سے دیکھا بھی نہیں تھا۔''

''جب ان کے آنے کا مقصد ہی تمہیں دیکھنا تھا تو غور سے کیوں نہ دیکھتے۔ مجھے یاد ہے واپس آ کر تو انہوں نے تمہاری شان میں پورا قصیدہ پڑھ ڈالا تھا۔''

''تمکین یہاں آؤ آنٹی بلا رہی ہیں۔'' امی نے ڈرائنگ روم سے آواز لگائی۔

ندا اور تمکین آگے پیچھے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ تمکین نے کن انکھیوں سے زین کو دیکھا جو کی چین ہاتھ میں لیے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً نظریں چرالیں۔

''پھر چلیں؟'' زین کی امی نے تمکین کی طرف دیکھا۔

''جی آنٹی۔'' اس نے نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

کار کی پچھلی سیٹ پر ندا کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ اب کچھ دیر وہ زین کی شوخ نگاہوں کے حصار سے بچی رہے گی لیکن اس وقت پریشان ہو گئی جب زین نے بیک ویو مرر کا زاویہ تبدیل کر دیا۔ اب وہ دونوں آئینے میں ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

''بھائی بیک ویو مرر اس مقصد کے لیے نہیں ہوتا۔'' ندا بولی۔ ''آپ کہیں نہ کہیں ایکسیڈنٹ کروا دیں گے۔''

''ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔'' زین نے اگنیشن میں چابی گھمائی۔ ''اور ایکسیڈنٹ تو بہت دن پہلے ہو چکا ہے۔ اب کیا ہوگا۔''

تمکین کار کے شیشے سے سڑک پر دوڑتی گاڑیاں اور پیچھے بھاگتے درخت دیکھ رہی تھی۔

''برکت علی پر چلنا ہے۔'' امی نے زین کو بتایا پھر تمکین سے بولیں۔ ''ندا کا تو سارا سامان انہی دنوں میں بنانا ہے۔ ابھی تک میں نے ایک جوڑا بھی نہیں بنایا تھا۔ آج کل تو دو مہینے بھی فیشن نہیں چلتا کہ نئی چیز آ جاتی ہے۔ پھر پیسے بھی خرچ ہوں اور کپڑا آؤٹ آف فیشن سمجھ کر پھینک دیا جائے تو کیا فائدہ۔''

''جی!'' اسے خیال آیا کہ اس کے بہت سے جوڑے بھی پیٹی میں پڑے پڑے آؤٹ آف فیشن ہو گئے ہیں اور بہت سے برتنوں کا بھی یہ حساب تھا کہ انہیں کچن کے بجائے میوزیم میں رکھا جاتا تو شاید کسی کام آ جاتے۔

''تم برائیڈل (عروسی جوڑا) کس رنگ کا بنوا رہی ہو؟'' ندا نے پوچھا۔

''ابھی تو نہیں سوچا، امی سے پوچھوں گی۔''

''اتنی سی بات بھی امی سے پوچھنا پڑے گی۔'' زین بھنا گیا۔ ''مجھے دلہن سرخ کپڑوں میں چاہیے۔''

''جی؟'' تمکین نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''جی ہاں۔'' اس نے زور دیا۔

''کیوں پریشان کرتے ہو بچی کو۔'' امی نے اسے گھورا۔

''میں کب پریشان کر رہا ہوں۔ پریشان تو آپ کی ہونے والی بہو نے مجھے کر رکھا ہے۔''

''میں نے؟'' تمکین حیران رہ گئی۔ پریشان کرنا تو دور کی بات اس نے تو کبھی خود سے زین سے بات بھی نہیں کی تھی۔

''تم تو خواہ مخواہ ان کی باتوں کو سیریس لے رہی ہو۔'' ندا ہنسی۔ ''ان کی تو عادت ہے مذاق کرنے کی۔''

''یہ تمہیں مذاق لگ رہا ہے ندا؟'' زین جھنجلا گیا۔ ''میں بالکل سیریس ہوں۔''

''لیکن میں نے تو کسی کو پریشان نہیں کیا۔'' تمکین نے بے چارگی سے کہا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

زین نے آئینے میں اس کی طرف دیکھا۔

''بکو مت۔'' امی نے اسے ڈانٹا۔ ''خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہو بچی کو۔'' پھر تمکین کی طرف مڑیں۔ ''اس کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اُڑا دو۔''

''اچھا سبق دے رہی ہیں آپ۔'' زین مسکرایا۔ ''پہلی دفعہ کسی ساس کو دیکھا ہے ایسا کہتے ہوئے۔''

''ہمارے گھرانے میں کوئی ساس بہو نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں ماں بیٹی کا رشتہ ہوتا ہے اور میں یہ ثابت کر کے دکھاؤں گی۔'' امی بولیں۔ ''میں تمکین کو بیٹی بنا کر لے جا رہی ہوں۔ تمہاری غلط بات پر تمہیں ٹوکوں گی اور اس کی غلط بات پر اسے سمجھاؤں گی۔''

تمکین مسکرا دی۔ اسے زین کی امی اچھی لگی تھیں۔ روایتی عورتوں سے ہٹ کر۔ خود بھی خوش رہتی تھیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھتی تھیں۔

زین نے گاڑی برکت علی کے سامنے کھڑی کی۔ وہ چاروں باہر نکل آئے۔ کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے تمکین کے دوپٹے کا پلو بھی بیچ میں پھنس گیا۔ اس نے دوپٹا کھینچ کر نکالنا چاہا۔

''ٹھہریں۔'' زین اس کے پاس چلا آیا۔ ''دوپٹا پھاڑنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''نہیں تو۔'' گھبراہٹ میں اس نے فوراً نفی کی۔

اس کی گھبراہٹ دیکھ کر ندا اور زین دونوں ہنس پڑے۔ تمکین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آ گیا ہو۔ زین نے دروازہ کھول کر دوپٹے کا پلو نکالا اور اس کے کندھے پر ڈال دیا۔ وہ اتنی بوکھلا چکی تھی کہ شکریہ ادا کیے بغیر تیز قدم اٹھاتی اس کی امی کے پاس چلی گئی۔

''ہوں!'' امی مختلف کپڑے دیکھ رہی تھیں۔ ''کیا رنگ پہننا ہے ولیمے پر؟''

''جی ابھی تو نہیں سوچا۔''

''تو فوراً ابھی سوچو۔ دن ہی کتنے رہ گئے ہیں شادی میں۔'' امی نے کہا۔ ''مہینہ بھر تو جوڑا بننے میں لگ جائے گا۔''

''ایک تو تمکین تم نے کچھ بھی نہیں سوچا۔ اب یہی پتا ہوتا کہ تم نے برائیڈل کس رنگ میں بنانا ہے تو اگلے دن کا انتخاب آسان ہو جاتا۔'' ندا نے سر ہلایا۔

''وہ تو پھر سرخ ہی ہوگا ناں۔''

''کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔'' ندا بولی۔

''پیچھے کیوں پڑ گئی ہو اس کے۔'' امی نے ندا کو گھورا پھر تمکین کی طرف دیکھنے لگیں۔

''تم اس کی الٹی سیدھی باتیں نہ سنو۔ جو رنگ اچھا لگے گا وہ پہن لینا۔''

''ایک آئیڈیا ہے۔'' ندا نے چٹکی بجائی۔

''کیا؟'' تمکین نے پُر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میرا ولیمے کا جوڑا سرخ ہے۔'' وہ بولی۔ ''اس لیے ظاہر ہے عروسی جوڑا مجھے کسی اور رنگ میں بنانا ہوگا۔ میں نے سوچا تھا ٹی پنک کلر میں بنالوں گی۔ اب میری بارات والے دن تمہارا ولیمہ ہوگا۔ کیوں نہ دونوں ایک جیسا بنالیں؟''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' تمکین کھل اٹھی۔

پھر کتنی ہی دیر تمکین کی بَری اور ندا کے جہیز کے دوسرے جوڑے پسند کرنے میں لگ گئی۔ کافی دیر بعد جب وہ تینوں دکان سے برآمد ہوئیں تو زین کار سے نکل کر ان کے پاس چلا آیا۔

''آپ لوگوں سے جلدی شاپنگ نہیں ہوتی۔ پورا ڈیڑھ گھنٹا ہو گیا ہے۔ مجھے یہاں باہر سوکھتے ہوئے۔'' زین کا موڈ سخت آف تھا۔

''آپ سے کس نے کہا تھا یہاں سوکھنے کو۔ آپ کے اندر آنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔'' ندا نے کہا۔

''میں اندر چلا جاتا تو تمہاری بھابی کی رہی سہی یادداشت بھی کھو جاتی۔''

''ظاہر ہے چیز دیکھ بھال کے لینے میں دیر تو ہو جاتی ہے۔ انسان کو کنجوسی نہیں کرنی چاہیے لیکن بے سوچے سمجھے پیسے پھینکنا بھی تو کوئی عقلمندی نہیں ہے۔'' امی بولیں۔

''اور ابھی آپ کو مزید گھنٹا بھر سوکھنا پڑے گا۔'' ندا شرارت سے ہنسی۔

''کیا مطلب؟ ابھی کچھ رہتا ہے؟''

''جی، سب سے اہم چیز۔ ہم فرحت جیولرز پر جا رہے ہیں۔''

''رہنے دو ندا پھر آرڈر دے دیں گے۔'' تمکین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

''تمہیں ضرورت نہیں ہے بھائی کی سائیڈ لینے کی۔ ان کی تو عادت ہے۔ پہلے ہی اتنی دیر کر دی ہے تم نے۔ اب تک تو سب کچھ تیار ہو جانا چاہیے تھا۔'' ندا نے اسے گھسیٹا۔

زیورات پسند کرتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ پندرہ منٹ، آدھ گھنٹا، پون گھنٹا اور پھر ایک گھنٹا گزر گیا لیکن ندا کو کچھ پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ پوری دکان میں بڑی مشکلوں سے چند ایک سیٹ اچھے لگے۔

''کتنی دیر ہو گئی ہے ہمیں یہاں؟'' ندا کو اچانک خیال آیا۔

''پورا ایک گھنٹا۔'' تمکین نے جواب دیا۔

''اوہو زین بھائی تو باہر لال پیلے ہو رہے ہوں گے۔'' ندا بولی۔ ''ایسا کرو تمکین تم باہر چلی جاؤ تاکہ انہیں تسلی ہو جائے کہ کام ختم ہونے والا ہے۔ میں اور امی آرڈر لکھوا آتے ہیں۔''

''میں چلی جاؤں۔'' تمکین گھبرا گئی۔ ''اب کون سی زیادہ دیر لگے گی، اکٹھے ہی چلیں گے۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ کون سی دیر لگے گی۔ تم چلی جاؤ۔ ہم یوں آئے۔'' ندا نے چٹکی بجائی۔ ''جاؤ بھی یار۔''

تمکین بادلِ نخواستہ اٹھ کھڑی ہوئی اسے معلوم نہیں تھا کہ زین کے بہت اصرار پر ندا

نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے امی کو لے کر الگ ہو جائے گی تا کہ زین، تمکین سے اطمینان سے باتیں کر سکے۔ تمکین نے پہلے دروازے سے باہر جھانکا۔ سامنے زین کار سے باہر کھڑا منتظر نظروں سے دکان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ تمکین نے مڑ کر ملتجی نظروں سے ندا کی طرف دیکھا لیکن وہ مسکرا کر ان جڑاؤ کنگنوں کی طرف متوجہ ہوگئی جو اس کے سامنے پڑے ہوئے تھے۔ تمکین کو اندازہ ہوگیا کہ ندا اور زین نے پہلے ہی یہ طے کر رکھا تھا۔ پیچھے مڑنا ممکن نہ تھا اس لیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ کار کی طرف بڑھی۔ زین نے اس کے لیے دروازہ کھولا پھر اس کے بیٹھنے کے بعد وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''اتنی دیر سے انتظار کر رہا تھا میں۔''

''آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' تمکین بولی۔

''کیوں؟ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اتنا حق تو ہے ہم دونوں کا کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں اور چند بے ضرر قسم کی باتیں کر سکیں۔''

تمکین خاموش رہی۔

''تم نے پہلے دن ہی مجھے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔'' وہ بولا۔ ''مجھے تم جیسی ہی لڑکی کی تلاش تھی جس کی زندگی میں یہاں تک کہ اس کی سوچوں میں بھی میرے علاوہ کبھی کوئی نہ آیا ہو۔''

تمکین نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''منگنی کے بعد سے آج تک چار مرتبہ مختلف بہانوں سے تمہارے گھر آ چکا ہوں اور فون تو اَن گنت کیے ہیں۔ کہاں ہوتی ہو تم؟''

''فون امی ابو کے کمرے میں ہے اور میں آپ کو بتا دوں، امی کو یہ سب پسند نہیں ہے۔''

''فون پر تو بات ہو سکتی ہے ناں۔'' زین نے پوچھا۔

تمکین کی نظریں دکان سے نکلتی ہوئی ندا اور زین کی امی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''میں کیا پوچھ رہا ہوں؟''

تمکین کو خیال آیا کہ زین کچھ پوچھ رہا تھا۔

''کیا؟''

''میں کہہ رہا تھا کہ فون پر بات کرنے پر تو اعتراض نہیں ہے ناں؟''

''پلیز نہیں۔ امی، ابو کیا سوچیں گے۔'' تمکین اب بھی ندا اور امی کی طرف دیکھ رہی تھی جو کار کے بالکل قریب آ گئی تھیں۔

''میں شام چھ بجے فون کروں گا۔ صرف تم سے بات کرنے کے لیے اور اگر تم نے فون ریسیو نہ کیا تو جو بھی کرے گا اس سے صاف کہہ دوں گا کہ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

ندا اور امی بالکل پاس آ چکی تھیں۔ زین نے بات ختم کر کے امی کے لیے دروازہ کھولا۔ تمکین سوچتی رہ گئی کہ اسے منع کرے لیکن موقع ہی نہیں ملا۔

شام پانچ بجے سے ہی وہ بوکھلائی ہوئی پھر رہی تھی۔ مُنّو تھوڑی دیر پہلے کرکٹ کھیل کر آیا تھا اور اب تمکین کی بوکھلاہٹ دیکھ کر اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔

''بجو پاؤں میں پہیے فٹ کرا لیں۔ زیادہ آسانی سے پورے گھر میں گھوم پھر سکیں گی۔''

''میں کب سارے گھر میں گھوم رہی ہوں۔'' وہ لاؤنج میں صوفے پر ٹک گئی۔ ''مجھے لگتا ہے جیسے میں کوئی بات بھول رہی ہوں۔ میں تو صرف بھولی ہوئی بات یاد کر رہی تھی۔''

''اتنی عمر ہو گئی آپ کی، اس جھوٹی دنیا میں آئے ہوئے پھر بھی جھوٹ بولنا نہ آیا۔ کیا فائدہ آپ کی اس زندگی کا۔'' مُنّو نے افسوس سے کہا۔

''تمہیں تحلیلِ نفسی کے لیے میرے علاوہ کوئی اور معمول نہیں ملتا۔ جب دیکھو میری بات کے بخیے اُدھیڑنے لگتے ہو۔'' تمکین نے زین کا غصہ مُنّو پر اُتارا۔

''نفسیات آپ کا مضمون نہیں ہے اور تحلیلِ نفسی کا مطلب آپ کو نہیں آتا۔ ویسے میری لغت میں بھی اتنے موٹے موٹے لفظ نہیں پائے جاتے۔ آپ سیدھی بات بتا دیں، میں آپ کو مسئلے کا حل بتا دوں گا۔'' مُنو نے تجویز دی۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے تم اپنے حل اپنے پاس رکھو۔'' ابھی تمکین کی بات بمشکل ختم ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی وہ تو گویا اچھل پڑی۔ پھر ساتھ ہی اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ اصولاً یہ زین کا فون نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اس کا کوئی بھروسا بھی نہیں تھا۔

ابو نے فون اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' پھر کچھ دیر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد انہوں نے رانگ نمبر کہہ کر فون رکھ دیا۔ تمکین کی جان میں جان آئی۔

''ہوں۔ سمجھ گیا۔ سب سمجھ گیا۔'' مُنو جو اس کی تمام حرکتوں کا جائزہ لے رہا تھا، بولا۔

''کک۔ کیا سمجھ گئے۔ بات ہی کچھ نہیں ہے تو تم کیا سمجھے سب۔''

''فون آنا ہے کوئی؟''

''شش۔'' تمکین نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ ''امی سن لیں گی۔''

مُنو اسے ہاتھ سے پکڑ کر اس کے کمرے میں لے گیا۔

''زین بھائی کا فون آنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

تمکین نے اقرار میں گردن ہلا دی۔

''فون یہاں لا دوں آپ کے کمرے میں؟''

''ان کا فون آئے تو کہہ دینا میں سو رہی ہوں۔''

''لیکن آپ تو جاگ رہی ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرنا۔''

''آج تک تو یہی سبق دیا ہے کہ جھوٹ نہ بولو اور اب خود ہی جھوٹ بولنے کو کہہ رہی ہیں۔'' مُنو نے کہا۔

''تم تو مجھے پاگل کر دو گے۔ مصلحت پسندی بھی کسی چیز کا نام ہے۔''

''آپ مصلحت پسندی میں ہی کسی دن ماری جائیں گی۔ یہ لکھوا لیں مجھ سے۔''

''تو مسٹر بقراط تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟''

''بہت صاف اور سیدھی بات ہے۔ اگر آپ بات کرنا چاہتی ہیں تو کریں اور اگر نہیں کرنا چاہتیں تو بہانے مت بنائیں۔ صاف صاف کہہ دیں کہ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتیں۔''

''کھودا پہاڑ نکلا چوہا، وہ بھی مرا ہوا۔'' تمکین نے منہ بنایا۔ ''بہت ہی اچھا حل بتایا ہے۔''

''یہی حل بہترین ہے۔'' مُنو مُصر تھا۔

''میرے بھائی کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

''نہ بھئی نہ۔ میں چانکیہ نہیں ہوں۔ نہ ہی چانکیہ کا ہم سے دور دور تک کوئی تعلق ہے۔ پتا نہیں، آپ میں یہ چانکیہ پن کہاں سے آ گیا ہے۔''

تمکین اسے گھور کر رہ گئی۔

''بجو! بات کرنے کو دل چاہ رہا ہے؟'' مُنو نے بہت ہمدردی سے پوچھا۔

اسے ہمدردانہ موڈ میں دیکھ کر تمکین نے اسے ساری بات مناسب ترائیم کے ساتھ بتا دی۔

''ہوں۔ تو دھونس دے رہے تھے زین بھائی۔'' مُنو ہنسا۔ ''لیکن دھونس نہ دیتے تو کیا کرتے۔ ہر وقت تو آپ ان سے کترائے پھرتی ہیں۔''

''اب تبصرہ ہی کرتے رہو گے یا کچھ مدد بھی کرو گے میری۔ صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں چھ بجنے میں۔ ابھی گھنٹی بجے گی اور ابھی ابو فون اٹھائیں گے اور ان کا تو کچھ بھروسا

نہیں سچ مچ ہی ابو سے مجھے بلانے کے لیے کہہ دیں۔"

"ترس آ رہا ہے مجھے آپ کی شکل دیکھ کر۔" مُنو اٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد فون سمیت کمرے میں داخل ہوا۔ "یہ لیں۔"

"تم ابو کے سامنے سے فون لے آئے۔" تمکین کی تو سٹی ہی گم ہوگئی۔

"کیوں اتنا گلٹی فیل کر رہی ہیں۔ ابو کو کیا پتا کہ وجہ کیا ہے۔ انہیں بتا کر آیا ہوں کہ میں نے دوست کو فون کرنا ہے۔ آپ کی خاطر جھوٹ بولنا پڑا۔" مُنو نے فون اس کے قریب قالین پر رکھا۔ "اب جو چاہے بات کریں اپنے ان سے۔"

ابھی مُنو کی بات بمشکل ختم ہوئی تھی کہ فون چیخ پڑا۔ تمکین نے ایک نظر فون کو دیکھا اور پھر مُنو کو۔

"میں جا رہا ہوں آپ اطمینان سے بات کریں۔" وہ کمرے سے نکل گیا۔

تیسری گھنٹی پر تمکین نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو!" وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"شکر ہے، تم پر اتنا تو اثر ہوا۔" زین نے کہا۔

"آنٹی آگئی تھیں ورنہ میں نے آپ کو منع کرنا تھا۔"

"وجہ؟"

"کیونکہ، ابھی ہماری صرف منگنی ہوئی ہے جس کی نہ کوئی مذہبی حیثیت ہے اور نہ قانونی۔"

"تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟" زین بولا۔ "مانا کہ اس کی کوئی مذہبی یا قانونی حیثیت نہیں ہوتی لیکن منگنی کا مطلب صرف ایک انگوٹھی پہنانا بھی نہیں ہوتا۔ یہ تو Word of Honour ہوتا ہے۔ دونوں فریقوں کے بیچ۔"

"اچھا آپ جلدی سے بات کر لیجیے جو کرنے کے لیے آپ نے فون کیا ہے۔" تمکین نے دروازے کی جانب دیکھا۔

"میں نے آلو پیاز کی قیمتوں پر تبصرہ نہیں کرنا کہ جلدی سے کیا اور فون رکھ دیا۔" زین جھنجھلا گیا۔ "تم سے تو تمہاری تصویریں اچھی ہیں جو مسکرا کر میری طرف دیکھتی ہیں۔ شوخی سے، شرارت سے اور مجھے دیکھ کر تمہاری طرح چھپتی بھی نہیں ہیں۔"

"تو مجھے کیوں فون کرتے ہیں، انہی سے باتیں بھی کر لیا کریں۔"

"خود اپنے سے ہی جیلس ہوگئیں۔" زین نے قہقہہ لگایا۔

"جی نہیں۔"

"مجھ سے باتیں کرنے کو دل نہیں چاہتا؟" زین نے بہت رسان سے پوچھا۔

"یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا آپ نے؟"

"حد ہوگئی۔ ہم محترمہ کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ دن گن گن کے شادی کا انتظار کر رہے ہیں۔ یار اس قدر بے تاب تو میں کبھی نہیں ہوا۔ اور دوسری طرف تم ہو جسے پرواہ ہی نہیں کہ کوئی تمہارے متعلق سوچتا ہے۔ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہیں پانا چاہتا ہے۔ تم مجھے میڈیکل سائنس کا ایک نیا کیس لگتی ہو۔ مجھے لگتا ہے تمہارے پاس دل نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔"

"ہوتی تھی یہ چیز پر اب نہیں رہی۔" تمکین اس کی بات پر شوخی سے ہنسی۔ "اور محترم وہ آپ لے گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور کتنی دیر تک گھٹنوں میں سر دیئے ہنستی رہی۔ پھر اس نے اٹھ کر اپنے کپڑوں کی الماری سے وہ لفافہ نکالا جو امی نے بہت دن پہلے اسے دیا تھا۔ زین کی تصویر نکال کر وہ اپنے بستر پر جا بیٹھی۔

"تو آپ میری پرواہ کرتے ہیں۔" اس نے تصویر دیکھتے ہوئے دل میں سوچا۔ "مجھے پانا بھی چاہتے ہیں اور مجھ سے محبت بھی کرتے ہیں۔ بہت بے تاب بھی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اتنے نہیں جتنی میں ہوں۔ جتنی میں آپ کی پرواہ کرتی ہوں۔ جتنی میں آپ سے محبت کرتی ہوں کبھی اتنی محبت کر کے دکھائیں تو مانوں۔"

''ہوں۔کمرے میں اکیلے بیٹھ کر یہی کام ہوتا ہے۔'' مُنو نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

''تم دستک دیئے بغیر کیوں چلے آئے۔'' تمکین نے تصویر ایک دم الٹ دی۔

''میں نے سوچا کہ یا تو بات نہیں کر رہی تھیں اپنے ان سے یا پھر شروع ہوئیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔بس یہی دیکھنے چلا آیا تھا۔''

''فون تو کب کا رکھ چکی ہوں۔'' تمکین نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔

''ہاں اور اب تصویر سے باتیں کر رہی ہیں۔''

''نہیں تو۔یہ تو یہاں پڑی ہوئی تھی۔میں اٹھ کر رکھنے لگی تھی ابھی۔'' تمکین نے اس قدر معصومیت سے کہا کہ مُنو نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے پیار کر ڈالا۔

''میری پیاری بجو!'' اس نے تمکین کے گلے میں بازو حمائل کیے۔''تصویر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے کہ آپ اس سلسلے میں بھی صفائی پیش کر رہی ہیں۔''

''نہیں تو۔'' تمکین جھینپ گئی۔

''پتا ہے بجو آپ چلی جائیں گی ناں تو میں بہت اداس ہو جاؤں گا۔'' وہ اس کے بستر کے سامنے قالین پر بیٹھ گیا۔''بہت یاد آئیں گی آپ۔''

''سچ مُنو۔'' وہ گھر چھوڑنے کے خیال سے اداس ہو گئی۔نئے سفر پر نکلنے کی خوشی میں وہ یہ بھول گئی تھی کہ اسے یہ خوشی بابل کی دہلیز پار کر کے ہی ملے گی۔''اداس تو میں بھی بہت ہوں گی۔بہت مِس کروں گی سب کو۔''

''لیں آپ کیوں مِس کریں گی ہمیں۔آپ کو تو وہاں ان شاء اللہ ڈھیروں پیار ملے گا۔ہاں میں آپ کو مِس کروں گا کیونکہ آپ کی محبت بہت زیادہ تقسیم ہو جائے گی۔اب سے پہلے تو آپ کی ساری محبت میرے لیے ہوتی تھی۔''

''اتنے اداس ہو گئے۔'' تمکین نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔''تمہاری جگہ تو کوئی نہیں لے سکتا۔کبھی کوئی نہیں لے سکتا۔تم اداس مت ہو ورنہ میں رو دوں گی۔''

''یہ بات بات پر رونے والی عادت چھوڑ جانا یہیں۔'' مُنو بولا۔''اور بجو میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔رونے دھونے سے کبھی کچھ سنورا نہیں کرتا نہ کسی کو اس کا حق ملتا ہے۔اپنا حق لینا پڑتا ہے۔اپنے فرائض پورے کریں اور اپنے حقوق کبھی مت چھوڑیں۔''

تمکین نے اس کی طرف دیکھا۔وہ اس کا چھوٹا بھائی تھا۔تمکین ہر موقع پر اسے امی، ابو کے غصے سے بچاتی تھی۔وہ چھوٹا سا تھا تو اس کے کام بھاگ بھاگ کر کرتی تھی لیکن آج وہ اسے بہت بڑا دکھائی دے رہا تھا۔بالکل پناہ گاہ کی طرح۔

''تمکین کیا کر رہی ہو؟'' کمرے کے باہر سے امی کی آواز آئی۔

''جی کچھ نہیں۔'' اس نے جلدی جلدی تصویر لفافے میں ڈالی اور لفافہ تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

''اپنی طرف کا شادی کا جوڑا کب بنانے کا ارادہ ہے؟'' وہ اندر آ گئیں۔''اتنے کم دن رہ گئے ہیں اور تمہیں کچھ ہوش ہی نہیں ہے۔''

''امی جب آپ کہیں۔''

''کل شام چلے چلتے ہیں۔کیوں مُنو تم فارغ ہو کل؟'' امی نے پوچھا۔

''آپ حکم کریں۔جب کہیں، میں چلنے کو تیار ہوں۔'' اس نے عینک ناک پر جمائی۔

''میں تو جب حکم دوں ناں جب صاحبزادے کہیں نظر آئیں۔یا تو سارا دن کتابوں میں گھسے رہتے ہو یا کرکٹ تمہاری جان کو آئی رہتی ہے۔''

''اس لیے یا تو اسکالر بن جاؤں گا یا پھر کرکٹر۔ویسے اسکالر بننے کا کوڑی بھر کا بھی فائدہ نہیں۔ہاں کرکٹر بن گیا تو عیش ہو جائیں گے۔پیسہ الگ ملے گا اور تصویریں اور انٹرویو الگ شائع ہوں گے۔پھر میں پریس والوں کو اپنے دُکھے دل کی دُکھی داستان سناؤں گا کہ میں اپنی امی کی تمام تر مخالفت کے باوجود کرکٹر بننے میں کامیاب کیسے ہو گیا۔''

''اچھا اچھا دیکھ لیں گے۔'' امی بیزار ہو گئیں پھر تمکین سے کہنے لگیں۔ ''کس رنگ کا بناؤ گی جوڑا؟''

''امی سرخ ٹھیک رہے گا۔''

''ہاں کھلتا ہوا سرخ بہت اچھا لگے گا۔'' امی نے اس سے اتفاق کیا۔ ''غرارہ بنوانا ہے یا لہنگا؟''

''لہنگا زیادہ پسند ہے مجھے۔''

''تو چلو کل چل کر دیکھ لیں گے اور ہاں ایک آدھ دن میں پیٹی کھول کر اس میں رکھی ہوئی چیزیں بھی ٹھیک کر دو۔''

''امی، اس میں کتنے ایسے جوڑے ہیں جو آؤٹ آف فیشن ہو گئے ہیں۔''

''دیکھ لیں گے ناں جو ٹھیک ہوئے وہ رکھ لیں گے۔''

اس وقت تمکین پیٹی کھول کر سب چیزیں سیٹ کر رہی تھی کہ منو اس کے پاس چلا آیا۔

''آپ یہاں بھوت بنی کھڑی ہیں اور وہاں آپ کے وہ آئے بیٹھے ہیں۔''

''وہاں کہاں؟'' اس نے متجسس نظروں سے گیلری میں جھانکا۔

''یہاں نہیں ہیں۔ ڈرائنگ روم میں ہیں۔''

''تو تم مجھے کیوں بتا رہے ہو۔'' تمکین نے اپنی طرف سے بے نیازی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''تاکہ آپ ان کے درشن کر آئیں اور اسی بہانے وہ بھی آپ کا چاند سا مکھڑا دیکھ لیں۔ دونوں کے مفاد کا سوال ہے۔''

''ہٹو پرے۔ الٹی الٹی باتیں کرتے ہو۔''

''الٹی باتیں نہیں کر رہا۔ امی نے آپ کو بلا بھیجا ہے کہ آ کر چائے پانی کا انتظام کریں۔''

''وہ میں کرلوں گی تم جاؤ۔'' تمکین نے برتن قرینے سے ایک کونے میں رکھے۔

''امی کہہ رہی ہیں، جلدی کریں۔''

''اچھا بابا۔'' وہ سب کچھ اسی طرح چھوڑ چھاڑ کر کچن میں آ گئی۔

''تمکین؟'' ندا کی آواز آئی۔

تمکین کچن سے نکل آئی۔

''کدھر گم تھیں۔ میں نے کونا کونا چھان مارا گھر کا۔'' ندا نے اسے دیکھا تو اس کی طرف چلی آئی۔

''میں اسٹور میں تھی، تم کب آئیں؟''

''ابھی پانچ منٹ ہوئے ہیں آئے ہوئے۔''

''ادھر ہی آ جاؤ کچن میں۔''

''میں نے فون کیا تھا ایک دو دن پہلے۔'' ندا کیبنٹ کے اوپر بیٹھ گئی۔ ''پتا چلا کہ تم شاپنگ کرنے گئی ہوئی ہو۔''

''ہاں، عروسی جوڑے کا آرڈر دینا تھا۔''

''پھر کیسا بنوا رہی ہو؟''

''سرخ لہنگا اور سنہرا کام۔''

''بہت سوٹ کرے گا تم پر۔''

''تھینک یو۔''

''آج زین بھائی صرف تمہیں دیکھنے آئے ہیں۔''

''مجھے؟ کیوں؟''

''اس کیوں کا جواب تو مجھے معلوم نہیں۔'' ندا نے کہا۔ ''ویسے صبح سے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ آفس سے واپسی پر تمہیں دیکھنے جائیں گے۔ میں نے کہا بھی کہ لگتا ہے آپ کا آنٹی سے مار کھانے کا پروگرام ہے لیکن ہیں اپنی دھن کے پکے کہتے ہیں چاہے صرف ایک نظر لیکن میں نے تمکین کو دیکھنا ضرور ہے۔''

تمکین کان کی لوؤں تک سرخ ہوگئی۔ ''لیکن میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ امی، ابو کیا سوچیں گے۔''

''میں کچا کام نہیں کرتی۔'' ندا ہنسی۔ ''زین بھائی کارنر والے صوفے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں جاتے جاتے تھوڑا سا دروازہ کھول جاؤں گی۔ تم درشن کرا دینا اپنے تا کہ ان کی رات سکون سے گزرے ورنہ بڑا موڈ آف ہوگا ان کا۔ غصے میں بولتے جائیں گے۔ بولتے جائیں گے۔''

''لیکن میرا حلیہ بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔'' تمکین نے اپنے مسلے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

''تم ایسے ہی ان پر بجلیاں گرا دوگی۔''

''تم نے اس دن بھی مجھے جان کر پہلے باہر بھجوایا تھا ناں؟''

''ہاں۔'' ندا نے اعتراف کیا۔ ''کیا کروں اتنا تنگ کیا تھا بھائی نے کہ مجھے بات ماننی ہی پڑی۔''

''تم مجھے پٹواؤ گی امی سے۔''

''آنٹی کا ایسا خطرناک ارادہ ہوتو میں تمہارے سامنے آ جاؤں گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

چائے کی ٹرالی اندر لے جاتے ہوئے ندا تھوڑا سا دروازہ کھول گئی۔ پہلے تو تمکین کچھ دیر سوچتی رہی کہ جائے یا نہ جائے پھر تمام تر ہمت مجتمع کر کے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آہستہ سے دروازے کے قریب آئی اور اندر جھانکنے لگی۔ زین سامنے بیٹھا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت وہ چائے پیتے ہوئے شاید ابو سے بات کر رہا تھا۔ تمکین دروازے کی اوٹ سے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد زین کو احساس ہوا کہ کوئی اس کی جانب دیکھ رہا ہے اور یہ کوئی تمکین کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ اس نے مسکرا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نگاہیں ملیں پھر تمکین فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی۔ زین کی ایک لمحے

کی مسکراہٹ نے اس کی ساری تھکن اتار دی تھی۔

☆======☆======☆

نگار کو ہوش آیا تو وہ اپنے کمرے میں مسہری پر پڑی ہوئی تھی۔ اسے سب کی باتیں سنائی دے رہی تھیں، لیکن آنکھیں کھولنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''لگتا ہے انہیں کوئی سخت شاک پہنچا ہے۔'' کوئی کہہ رہا تھا۔ ''انہیں بہت نگہداشت کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی ذہنی دباؤ یا ٹینشن ان کے لیے خطرناک ہوگا اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان سے کسی کام کے سلسلے میں زبردستی نہ کریں۔''

''ڈاکٹر صاحب! یہ ہمیں اتنی پیاری ہے۔ ہم نے کبھی بھی اس پر کوئی زور زبردستی نہیں کی۔ جو کہتی ہے پورا کرتے ہیں۔ اللہ جانے بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا میری بچی کو۔'' زمرد بائی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''گھر آئی تھی تو خوش خوش تھی۔''

''اینی وے۔ ان کے آرام کا خیال رکھیں۔''

''ڈاکٹر صاحب کوئی دوا وغیرہ۔'' یہ کاجل کی آواز تھی۔

دوا میں نے لکھ دی ہے لیکن بی بی انہیں دوا سے زیادہ آرام اور ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔''

''بہت شکریہ ڈاکٹر صاب!'' زرقا بولی۔

''کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ کاجل اس کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھی۔ زرقا، زمرد بائی اور پائل بھی اس کے کمرے میں ہی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے، اس لڑکے کو دیکھ کر گھبرا گئی ہوگی جو اس سے ملنے آیا تھا۔'' زرقا نے خیال ظاہر کیا۔

''اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟'' پائل بولی۔ ''اس سے ملنے آیا تھا۔ آخر یہ اسے جانتی ہی ہوگی۔''

''اس کی جان پہچان ہے ہی کتنی۔ مجھے لگتا ہے، ایسے ہی کوئی منہ اٹھا کے چلا آیا ہو

گا۔ یوں بھی اس نے کبھی مردوں کو ڈیل ہی نہیں کیا۔'' زرقا اب بھی اپنی بات پر اَڑی ہوئی تھی۔

''خدا جانے کیا کہہ دیا اس منحوس نے۔ میری بچی تو ویسے ہی اتنی معصوم ہے، ادھر کی لڑکیوں والی تو بات ہی نہیں ہے اس میں۔ کچھ نہیں دیکھا اس نے دیکھو، کیسے پیلی پڑ گئی ہے۔'' زمرد بائی نے آہ بھری۔

''اماں! سو رہی ہے چپ کر جائیں۔'' کاجل اس کا سر دباتے ہوئے بولی۔

نگار سب کی باتیں سنتی رہی لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ بند آنکھیں عافیت کا بھی ذریعہ ہیں اور فرار کا بھی۔ بالکل ویسے جیسے کبوتر آنکھیں بند کر کے سمجھتا ہے کہ بلی اسے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ساری رات وہ چاروں اس کے کمرے میں چپ چاپ بیٹھی رہیں۔

پھر کتنے ہی بے کیف دن گزر گئے۔ اب اسے نہ گھنگھروؤں کی جھنکار اپنی طرف بلاتی تھی اور نہ ہی طبلے کی آواز میں کشش محسوس ہوتی تھی۔ وہ ایک دن رقص کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ کتنے دن سے اس نے گھنگھروؤں کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ سب نے سو سو جتن کر ڈالے کہ کسی طرح وہ کھل کر بات کر لے، انہیں اپنے دکھ، اپنی پریشانی میں شریک کر لے لیکن وہ تو بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ سارا دن اپنے کمرے میں بیٹھ کر چپ چاپ دیواروں کو تکا کرتی۔ یا پھر باہر تاروں کی چھاؤں میں چلی جاتی۔ نجو کے چوبارے میں ایک مرتبہ پھر رونق ہو گئی تھی۔ شاید وہ ملمع کیے ہوئے گہنوں پر راضی ہو گئی تھی۔

''میں نے اتنی کم ہمتی کیوں دکھائی؟'' کبھی کبھار وہ سوچتی۔ ''کچھ تو کہا ہوتا۔ واضح انکار نہیں کر سکی تو ہنس کر واضح اقرار ہی کر لیتی لیکن یہ بھی کیسے کہہ سکتی تھی۔'' وہ پھر بے چارگی سے سوچتی۔ ''اس میں میرا کیا دوش کہ تقدیر نے یہ چوبارہ میرا مسکن بنا دیا۔ جہاں ہر طرف ہتک ہے، بے عزتی ہے۔ ملمع کیے گہنوں پر راضی ہونا پڑتا ہے۔ اماں کہتی تھیں کہ میں سلطنتیں الٹا سکتی ہوں۔ ہونہہ۔ میرے پاس کون سا عزت دار ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے۔ میں تو کسی عزت دار گھر میں عزت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتی۔ محل میں کیا داخل ہوں گی۔

میں تو اس بے عزتی کا چولا اتارنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں لیکن میرے سر پر عزت کی چادر کون رکھے گا؟ کوئی نہیں۔ جو قلعہ چند ٹکوں میں فتح ہو جائے اس کا کوئی ایک فاتح نہیں ہوتا۔ اس قلعے کو تو روز ایک نیا فاتح اپنے پاؤں تلے روند کر گزر جاتا ہے۔''

اس دن بھی نگار مسہری پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی یہی کچھ سوچ رہی تھی کہ زمرد بائی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''کچھ تو بتاؤ میری گڑیا ہوا کیا ہے؟'' انہوں نے نگار کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''اماں کچھ نہیں ہوا'' وہ اپنی بے عزتی کا اشتہار خود کیسے لگاتی۔

''میری طرف دیکھو تو چندا۔''

نگار نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

''کیا کوئی لڑکا پسند آ گیا ہے؟'' زمرد بائی نے پوچھا۔

''اماں میرے پاس کسی عزت دار شخص کو پسند کرنے کا اختیار کہاں ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہولے سے ہنسی۔

''نگار تم نے بہت تھوڑی دنیا دیکھی ہے۔ تم محفل لگنے کے وقت اپنے کمرے میں بند ہو جاتی ہو۔ اگر تم محفل میں شامل ہوا کرتیں تو اس چوبارے سے اُترے بغیر ہی تم دنیا والوں کا ہر روپ سمجھ جاتیں۔'' انہوں نے نگار کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ان مردوں کو عشق و عاشقی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں صرف اپنا مطلب پورا کرنا ہوتا ہے۔ یہاں آ کر اور مطلب پورا کر کے یہ چلتے بنتے ہیں۔ ان سے کوئی امید لگانا فضول ہے۔ اگر جذبات میں آ کر یہ کسی کو یہاں سے لے جاتے ہیں۔ تب بھی ہم میں سے کوئی اس دنیا میں نہیں بس سکتا۔ اس لیے نہیں کہ عورت وہاں بسنا نہیں چاہتی۔ اس لیے کہ اس دنیا کے باسی طعنے مار مار کر عورت کا کلیجہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ اور پتا ہے یہ مرد کتنے شکی مزاج ہوتے ہیں۔ یہ تو پردے میں رہنے والی عورت کو نہیں بخشتے۔ کوٹھے سے آئی ہوئی عورت پر کب اعتبار کرنے

لگے۔ میں تمہارے فائدے کو کہتی ہوں نگار۔ اگر وہ لڑکا تمہیں پسند تھا تو بھول جاؤ اسے۔ اول تو وہ تمہیں اپنے گھر لے جائے گا نہیں اور اگر لے گیا تو زمانے سے نہیں بچا سکے گا۔''

''اماں آپ نہ جانے کیا سوچ رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

وہ کب سعد کو پسند کرتی تھی۔ وہ تو الٹا اس سے دور بھاگتی تھی۔ سعد، مونا کا بھائی تھا اور مونا اس کی سہیلی تھی۔ وہ بھلا اپنی سہیلی کے بھائی کے متعلق ایسا کیسے سوچ سکتی تھی لیکن اِس دوستی نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔

''کس سوچ میں گم ہو جاتی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ بولی۔

''کب تک ایسے بیٹھی رہو گی چندا۔ انسان تجربات کی بھٹی سے نکلتا ہے تو کندن بنتا ہے۔ اچھے برے ہر قسم کے تجربے انسان کے لیے ضروری ہیں لیکن انہیں روگ نہیں بنتا چاہیے۔ زندگی بڑی نعمت ہے، اسے یوں ضائع مت کرو۔''

''اماں آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''میں چاہتی ہوں۔ اٹھو سب کے ساتھ ہنسو، بولو، رقص کرو۔ گیت گاؤ۔ ویسے ہی جیسے پہلے کیا کرتی تھیں۔''

''اماں مجھے کچھ وقت دیں سنبھلنے کے لیے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تم جتنا وقت چاہتی ہو، لے لو، لیکن میری جان یوں کمرے میں گم صم بیٹھ کر دیواروں کو تکتے تکتے تم کبھی نہیں سنبھل سکو گی۔ الٹا اور تھک جاؤ گی۔ یہاں سے باہر نکلو۔ کسی کے ساتھ کوئی بات چیت کرو پھر خود ہی سب کچھ بھول جاؤ گی۔ وقت سے بڑھ کر کوئی مرہم نہیں ہوتا۔''

''جی اماں!''

''اچھا اب سو جاؤ۔''

زمرد بائی اس کے اوپر لحاف ڈال کر کمرے سے نکل گئیں اور وہ پھر اپنی سوچوں کے

ساتھ کمرے میں تنہا رہ گئی لیکن شاید کبھی نے اسے اس کی دنیا میں واپس لانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اگلے دن کاجل اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' نگار نے انگریزی کی کتاب بند کی۔ کسی چیز میں بھی تو دل نہیں لگ رہا تھا۔

''ہر وقت کتابوں میں گھسی رہتی ہو۔ ایک تو اماں نے تمہیں خاص الخاص بنانے کے لیے پڑھائی میں بھی جوت دیا ہے۔ الگ کرو اس مصیبت کو اپنے سے، تم نے کون سا پروفیسر بننا ہے۔'' کاجل نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر میز پر رکھ دی۔

''ہاں ظاہر ہے، میں کیوں پروفیسر بننے لگی۔ میرے لیے تو قدرت نے خود ہی ایک راستہ مقرر کر دیا ہے۔'' نگار نے تلخی سے کہا۔

کاجل نے اس کی بات سن کر خوش دلی سے قہقہہ لگایا۔ ''تو اتنی برہم کیوں ہوتی ہو جب حقیقت کو قبول کر ہی لیا ہے اور پھر یہاں تو مزے ہی مزے ہیں۔ لیکن تم ابھی اس دنیا میں داخل نہیں ہوئیں اس لیے تم یہ بات نہیں سمجھو گی۔ حالانکہ اصولاً اب تک تمہیں یہاں قدم رکھ دینا چاہیے تھا۔ لیکن خیر اسے چھوڑو۔ اٹھو۔'' کاجل نے ہاتھ پکڑ کر اسے بستر سے باہر کھینچا۔ ''وہاں ہمارے پاس آ کر بیٹھو، اٹھو۔''

نگار نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر اس کے ساتھ چلی آئی۔

''ارے لڑکی، کتنے دن سے آئینہ نہیں دیکھا تم نے۔'' وہ زمرد بائی کے پاس تخت پر بیٹھی تو وہ بولیں۔ ''نہ بال کنگھی کیے ہوئے ہیں، نہ کاجل ڈالا ہے اور آنکھوں کے نیچے کتنے گہرے حلقے بھی بن گئے ہیں۔''

''اماں بس چھوڑیں۔'' اس نے اپنے بالوں کا ڈھیلا ڈھالا جوڑا کھول ڈالا۔

''کیوں اپنے آپ کی دشمن ہوتی جا رہی ہو۔'' پھر وہ زرقا سے مخاطب ہوئیں۔ ''وہ بالوں کا برش لانا ذرا۔''

پھر نگار کو نیچے اپنے سامنے قالین پر بٹھا کر اس کے بالوں میں ہولے ہولے برش کرنے لگیں۔

"دیکھو کتنے بال ٹوٹ رہے ہیں۔ اتنی لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی، ان بے چاروں نے کیا قصور کیا ہے جس کی انہیں سزا دے رہی ہو۔"

نگار چپ چاپ گھٹنے پر سر ٹکائے، آنکھیں بند کیے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"بائی جی! دیکھیں آج کون تشریف لایا ہے؟"

استاد بندے علی کی آواز سن کر نگار نے سر اٹھا کر اپنی خوابناک گہری آنکھوں سے نو وارد کی جانب دیکھا۔

"چوہدری سلطان بخش۔" نگار کو خیال آیا۔ "چند بہت اچھی فلموں کا ہدایت کار۔"

چوہدری سلطان بخش نگار کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

"آیئے آیئے چوہدری صاحب! زہے نصیب، زہے نصیب۔" زمرد بائی نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

نگار قالین سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے لمبے بالوں کو ڈھیلے ڈھالے جُوڑے کی شکل میں باندھ لیا۔

"اماں! میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔" پھر وہ زمرد بائی کا جواب سنے بغیر وہاں سے نکل آئی۔

زمرد بائی نے اسے روکنے کا ارادہ کیا، لیکن کاجل نے آنکھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ پھر بستر میں گھس گئی۔ کچھ کرنے کو اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ کمرے کا حلیہ بھی بگڑا ہوا تھا۔ میز پر بے ترتیبی سے کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ بستر شکن آلود تھا۔ گلدان میں رکھے پھول مرجھا چکے تھے۔ الماری میں کپڑے بکھرے ہوئے تھے، سنگھار میز کے آئینے کو گرد کی تہہ نے چھپا دیا تھا، لیکن نگار کو کسی چیز سے دلچسپی محسوس نہیں ہو

رہی تھی۔ وہ جو بے حد نفاست پسند طبیعت کی مالک تھی۔ اپنے مختصر سے کمرے کی ایک ایک چیز چمکا کر رکھا کرتی تھی۔ اب یونہی خالی الذہن بیٹھی رہتی تھی۔

"نگار!" زمرد بائی نے کمرے کے دروازے سے اسے آواز دی۔

"جی!"

"آ جاؤ، مہمان چلے گئے ہیں۔"

وہ کسی بحث مباحثے کے موڈ میں نہیں تھی اور جانتی تھی کہ اگر اس نے انکار کیا تو اماں پھر اسے وہ سب سمجھانے بیٹھ جائیں گی جو وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی، اس لیے وہ چپ چاپ ان کے پیچھے چلی آئی۔

"استاد بندے علی نے چوہدری صاحب سے تمہارا ذکر کیا تھا۔" زمرد بائی نے اسے بتایا۔ "انہیں اپنی نئی فلم کے لیے ایک بے حد حسین اور کم عمر لڑکی کی ضرورت ہے۔ تمہیں دیکھ کر تو وہ دنگ ہی رہ گئے۔ پتا ہے کیا کہہ رہے تھے؟ کہنے لگے کہ اتنی حسین صورت دیکھ کر تو دنیا مارلن منرو اور صوفیہ لورین کو بھی بھول جائے گی۔ میں اسے اتنی بلندیوں پر لے جاؤں گا کہ کوئی اور اس تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

زمرد بائی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، ان کا دیرینہ خواب تکمیل کے پہلے مرحلے میں تھا لیکن نگار ان کی بات سن کر سُن رہ گئی۔

"اماں! میں کسی کو دنگ نہیں کرنا چاہتی، میرے پَر بہت کمزور ہیں، میں اتنی بلندیوں پر جانے کے قابل نہیں ہوں۔"

"پاگل ہوئی ہو، ایسا موقع قدرت بار بار عطا نہیں کرتی۔ دنیا ترستی ہے ایک چانس کے لیے، کبھی باہر نکل کر دیکھو، اسٹوڈیوز کے باہر کتنی لمبی لائن لگی رہتی ہے، لیکن کوئی پوچھتا نہیں ہے اور تمہاری خاطر تو چوہدری صاحب خود چل کر یہاں آئے ہیں۔"

"اماں! میرے لیے زندگی کو اس قدر مشکل نہ بنائیں کہ میں چلنے سے بالکل ہی بیزار ہو جاؤں۔" نگار نے اپنے ہونٹ کاٹ کر آنکھوں میں اترتے ہوئے آنسوؤں کو

روکنے کی کوشش کی۔

''زندگی کو تم خود اپنے لیے مشکل بنا رہی ہو اور جینے سے بیزار تم ہو چکی ہو۔ میں تو تمہیں زندگی کی طرف واپس لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تمہیں باہر سے کوئی کما کر لا کے نہیں دے گا۔ پائل، کاجل اور زرقا کا دور کب تک رہے گا۔ بس آج کل کی بات ہے پھر ان کے لیے کوئی ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گا، کیا کرو گی، پھر کہاں سے کھاؤ گی؟''

''اماں! میں کہیں نوکری کرلوں گی۔'' نگار کی آنکھوں میں امید کی چمک لہرائی۔

''میٹرک پاس لڑکی کو کہیں کوئی ملازمت ملتے دیکھی ہے۔ ایم۔ اے والے جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں انہیں۔'' زمرد بائی نے اسے سمجھایا۔ ''اور یہ یاد رکھو کہ جہاں جاؤ گی، وہاں تم سے عزت کا سرٹیفکیٹ طلب کیا جائے گا، جو ہمارے محلے کے کسی گھر میں نہیں ہے اور اگر تمہیں کہیں نوکری مل بھی تو تمہارے اس بے مثال حسن کی وجہ سے ملے گی اور وہاں بھی سب تم سے وہی توقعات وابستہ رکھیں گے، جو یہاں آنے والے یہاں کی سب عورتوں سے رکھتے ہیں۔ گڑیا، بھیڑیے صرف یہاں آنے والے ہی نہیں ہوتے، باہر کی دنیا میں بھی بہت بھیڑیے ہیں اور انسان کو شیطان بننے میں کتنا وقت لگتا ہے۔''

''اماں میں کیا کروں؟'' آنسو تمام بند توڑ کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ وہ جانتی تھی کہ آرٹسٹ صرف دنیا والوں کے لیے آرٹسٹ ہوتا ہے، جس کی تصویریں اُترتی ہیں، انٹرویو شائع ہوتے ہیں، فلم انڈسٹری کے اندر ایک لڑکی کو جگہ بنانے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ اس سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ یہ سب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اسے روتا دیکھ کر کاجل تڑپ کر آگے بڑھی اور اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''میری چندا روتے نہیں ہیں۔'' اس نے پیار سے نگار کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''اسے رو لینے دو کاجل، اس کے دل کا غبار نکل جائے گا۔'' پائل بولی۔

کتنی دیر تک وہ روتی رہی اور کاجل اسے تسلیاں دیتی رہی۔

''اسے اس کے کمرے میں لے جا کر سلا دو۔'' زمرد بائی نے کہا۔

☆======☆======☆

''زین بھائی! اب اس تصویر کو اتنی محویت سے تکنا بند کر دیں خود آپ کی نظر لگ جائے گی تمکین کو۔'' ندا نے زین سے کہا جو صوفے پر لیٹا ہوا سامنے دیوار پر لگی تمکین کی مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

''ہمیشہ غلط وقت پر آتی ہو۔'' زین اٹھ بیٹھا۔

''میں غلط وقت پر آتی ہوں؟'' ندا نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''تو اور کیا۔'' ابھی تو میں نے غمِ فراق کے قصے اور نشاطِ وصل کا ذکر چھیڑ رکھا تھا کہ تم نازل ہو گئیں۔''

''ہوں، غمِ فراق کے قصے، نشاطِ وصل کا ذکر۔'' ندا ہنسی۔

''لیکن اس نے تکلفاً بھی کوئی بات کرنے سے انکار کر دیا ہوگا۔ بھائی اپنی منگیتر پر آپ کی ایک نہیں چلتی۔ کبھی آمنے سامنے بات کریں تو مانوں۔ تصویر دیکھ کر ہی خوش ہوئے جا رہے ہو۔''

''آمنے سامنے کا وقت بھی آ جائے گا، مجھے تو تمہارے اظہر پر غصہ آ رہا ہے، ابھی ہی جاپان کے ٹور پر جانا تھا اسے۔''

''خبردار! اظہر کے متعلق میں کوئی الٹی سیدھی نہیں سنوں گی۔'' ندا نے اسے گھورا۔

''اپنی تمکین پر بس نہ چلا تو غصہ اظہر پر نکال دیا۔ ایسا مفت کا نہیں آیا ہوا اظہر، کر لیں اپنی شادی پہلے، میں نے روکا ہوا نہیں ہے۔''

''پتا ہے کہ جانے والی ہو، اس لیے خوب بڑھ بڑھ کر بول رہی ہو۔'' زین ہنسا۔

''خیر بول لو، کیا یاد کرو گی کہ کس سخی سے پالا پڑا تھا۔''

وہ باتیں کر رہے تھے کہ باہر گھنٹی گنگنا اٹھی۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' ندا بڑبڑائی۔ ''ضرور آپ کا کوئی دوست ہوگا، بے وقت

منہ اٹھا کر چلے آنا انہی کا کام ہے۔''

''تم تو میرے دوستوں کی ازلی دشمن ہو۔'' زین اٹھ کر باہر کی طرف چل دیا۔

ندا کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ باہر شعیب اور کامران کھڑے ہوئے تھے۔

''یار تم تو منگنی کر کے بالکل ہی گم ہو گئے ہو۔'' کامران نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔

''نہیں یار ابا نے اتنے کام میرے [illegible] دیے ہیں۔ میں تو ان کی ڈرائیوری کرتے کرتے ہی عاجز آ گیا ہوں۔''

''چھوڑ یار، ہمیں گولی دیتا ہے۔'' شعیب بولا۔ ''تجھے بھابی نے باندھ لیا ہے۔ ابھی سے یہ حال ہے تیرا آگے اللہ ہی حافظ ہے۔''

''اس نے کیا باندھنا ہے، اتنے چکر لگائے ہیں اس کے گھر کے، مجال ہے جو سامنے آ جائے۔''

''اوہو ہو! پھر تو بہت ظالم نکلیں بھابی۔'' کامران ہنسا۔

''تم لوگ اندر تو آؤ، باقی باتیں کھانے پر کریں گے۔'' زین نے کہا۔

''نہیں، آج تمہاری طرف کھانے کا پروگرام نہیں ہے، تمہاری طرف تو اب بھابی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کے لیے آئیں گے۔'' کامران بولا۔ ''آج تو ہم تمہیں لے جانے آئے ہیں۔''

''کہاں؟''

''پائے کھانے جانا ہے شاہی محلے۔''

''یار میں منگنی شدہ بندہ ہوں، رات کو اس وقت شاہی محلے میں پکڑا گیا تو جانتے ہو، کیا ہو گا؟'' زین ہنسا۔

''نہیں پہنچیں گے وہاں تیرے سسرالی اور اگر پہنچ گئے تو خود بھی منہ چھپا کر بھاگیں گے۔'' شعیب نے اپنی بات پر خود ہی قہقہہ لگایا۔

''ہم باہر سے ہی پائے کھا کے آ جائیں گے۔'' کامران نے اسے یقین دلایا۔

''خیر، اپنے سسرالیوں سے تو مجھے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ بڑے شریف لوگ ہیں، پشتوں سے اس بازار کا منہ بھی نہیں دیکھا ہو گا۔'' زین بولا۔ ''میں امی کو بتا آؤں۔''

''ایک سے ایک دھما کا موجود ہے یہاں۔'' شعیب نے پائے کھاتے ہوئے اپنے تجربات کا رعب جھاڑنے کی کوشش کی۔

''چھوڑو بھی اب یہاں کیا رکھا ہے، اب تو سارے ہیرے موتی اور علاقوں میں شفٹ ہو گئے ہیں۔'' کامران نے اسے جھٹلایا۔

''تجھے معلوم ہی کیا ہے یار۔'' شعیب اَڑا ہوا تھا۔ ''ابھی شرط لگا سو روپے کی، پھر دیکھ کیسے ہیرے دکھاتا ہوں۔''

''ایسے ہی گپ نہ مارو یار۔'' زین بولا۔ ''جیسے ہم نہیں جانتے تجھے ہفتے میں ایک بار یہاں آ کر پائے کھانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تجھے اندر کا حال بھی معلوم ہے۔ چپ چاپ پائے کھا اور واپس چلنے کی کر۔''

''بات تو ایسے کرتا ہے شعیب جیسے یہاں کا راجہ اِندر ہو۔'' کامران نے اسے چڑایا۔ ''تجھے یہاں کوئی لفٹ نہیں کرائے گی۔''

''چلو شرط ہے۔'' شعیب کو ان کی باتوں پر تاؤ آ گیا۔ ''مجھے کون لفٹ کرائے گی، یہ بھی دیکھ لینا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایسے ہیرے دکھاؤں گا کہ تم دونوں بھی عاشقی معشوقی میں مبتلا نہ ہو گئے تو میرا نام شعیب نہیں۔''

''چل ہو گئی شرط۔'' کامران آج شعیب کی بات کو غلط ثابت کرنے کے پورے موڈ میں تھا۔

''نہ بابا نہ مجھے تو بخشو تم لوگ۔'' زین بولا۔ ''میں کوئی عاشقی واشقی افورڈ نہیں کر سکتا۔ وہ بھی اس وقت جب میری شادی میں صرف ایک مہینہ رہ گیا ہے۔''

''تم بھی کمال کرتے ہو، اس کی باتوں میں آ رہے ہو اتنی اچھی منگیتر ہوتے ہوئے تم

کسی اور پر کیسے عاشق ہو سکتے ہو۔'' کامران نے اس کی ہمت بندھائی۔''اور یہاں ایسی کون سی پریاں ہیں، اگر آج تم نے انکار کیا تو شعیب کا پول پھر کبھی نہیں کھل سکے گا اور میں چاہتا ہوں کہ ایک ہی مرتبہ اس کی بولتی بند کر دی جائے۔''

''میرے باپ، دادا، پردادا حتیٰ کہ ان کے پردادا تک کسی نے کبھی ایسے کسی محلے کا رخ نہیں کیا۔'' زین ہنسا۔''تم مجھے کہاں پھنسا رہے ہو۔''

''ڈر گیا۔'' شعیب نے قہقہہ لگایا۔''یار کامران، یہ تو ہار گیا یہیں سو روپے، تُو بھی جلدی سے جیب خالی کر۔''

''نہ میں جیب خالی کروں گا اور نہ زین۔'' کامران جھلا گیا پھر وہ زین سے مخاطب ہوا۔''حد کر دی تم نے، اتنا سا یقین نہیں ہے خود پر تمہیں؟''

''یقین کیسے ہوسکتا ہے۔'' شعیب، کامران کی جھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔''یہاں اسے ایسی پری دکھائیں گے کہ بھول جائے گا اپنی منگنی ونگنی۔''

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' زین اب واقعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔''نہ تو میں تمکین کو بھول سکتا ہوں اور نہ ہی کسی اور سے متاثر ہوسکتا ہوں۔ یوں بھی یہاں کوئی لڑکی تمکین کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے، یہاں کی لڑکیاں بہت خوبصورت اور بہت پُرکشش ہوں لیکن تمکین کی ایک ہی خوبی اسے ان سب سے الگ کر دیتی ہے کہ وہ بہت پاکیزہ ہے، بالکل صاف پھولوں پر شبنم کے شفاف قطروں کی طرح پاکیزہ۔''

''یہ ساری شاعری دھری رہ جائے گی جب یہاں کے دھماکوں کو دیکھو گے۔'' شعیب کے لہجے میں چیلنج تھا۔''جس کے پاس میں تمہیں لے جاؤں گا، سمجھو، وہ آسمان کی پری ہے، سرسوتی ہے، لکشمی ہے، پاربتی ہے، ایفروڈائٹ ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ حسین ہے، اس کا حسن الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اگر ہیرس اسے دیکھ لیتا تو ہیلن آف ٹرائے کو بھول جاتا اور یوں Trojan war کے بجائے اس وقت پہلی عالمی جنگ ہوتی۔ انتھونی دیکھ لیتا تو قلوپطرہ کو مصر سمیت بحرِ اوقیانوس میں اپنے ہاتھوں سے غرق کر دیتا۔''

''چپ کر جاؤ اب۔'' کامران نے ہاتھ اٹھا کر شعیب کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔''اب مزید کوئی تشبیہ نہیں بچی۔''

''یہ تشبیہات اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ تو دیکھنے کی چیز ہے۔'' شعیب بولا۔

''گہن تو چاند میں بھی ہوتا ہے، اب تم بھی بتا دو کہ اس میں گہن کہاں لگا ہوا ہے۔'' کامران نے مذاق اُڑانے والے لہجے میں کہا۔

''وہ بے داغ چاند ہے۔'' شعیب کے لہجے میں یقین تھا۔''بس ایک مسئلہ ہے۔''

''مجھے یقین تھا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوگا۔'' کامران نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

''اس کے حسن کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' شعیب نے فوراً دفاعی انداز اختیار کیا۔''مسئلہ یہ ہے کہ ابھی اس کی ماں اسے کسی کے سامنے نہیں آنے دیتی۔ اکثر وہاں آنے والے اس سے پوچھتے ہیں کہ اس ہیرے کو اس نے کہاں چھپا رکھا ہے تو وہ یہی کہتی ہے ابھی اس کی بیٹی زیرِ تربیت ہے، پتا نہیں کمبخت کب تربیت ختم کرے گی اس کی۔''

کامران نے ایک فاتحانہ قہقہہ لگایا۔''جب اس کی ماں اسے کسی کے سامنے نہیں آنے دیتی تو تمہیں اس کے متعلق کیسے علم ہوا؟''

''پوری بات تو سن لیا کرو۔'' اب جھنجھلانے کی باری شعیب کی تھی۔''اس کی ماں نے آئندہ بھی بزنس چلانا ہے۔ اتنی بڑی تصویر سجا رکھی ہے اس نے کمرے میں بیٹی کی۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ تم صرف تصویر پر ہی عاشق ہو گئے ہو۔'' زین نے اس کا مذاق اُڑایا۔''تصویر بعض اوقات بہت بڑا دھوکا ہوتی ہے۔''

''تصویر تو اس کی اصل خوبصورتی کا دس فیصد ہے۔'' شعیب نے کہا۔''اسے میں نے صرف ایک مرتبہ سامنے دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اس دن اتفاق سے میں اپنے

دوست سعد کی طرف چلا گیا تھا، وہیں اسے دیکھا تھا۔ وہ الحمرا میں رقص کی تربیت لے رہی تھی۔ سعد کی بہن بھی وہاں ڈانس کلاس اٹینڈ کرتی تھی۔ دونوں میں دوستی ہوگئی لیکن میرا خیال ہے کہ سعد کی بہن کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی دوست کا تعلق کس جگہ سے ہے۔ تم لوگ اسے دیکھو گے تو بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ اس کی ساحر آنکھیں، ہلکے سنہرے لمبے لمبے بال، ستواں ناک اور اس میں پڑی ہیرے کی لونگ، یاقوت جیسے لب، گلاب کی طرح کھلتے ہوئے رخسار، وہ انسان نہیں مجسم حسن ہے۔''

''اٹھو زین ہم بھی اس پری کو دیکھ لیں۔'' کامران کا لہجہ اب بھی مذاق اُڑانے والا تھا۔

''اونہوں ایسے نہیں۔'' شعیب اپنی جگہ جما رہا۔ ''شرط کی رقم بڑھاؤ، میں آج کل کنگال ہوں، سو روپے میں پریوں کا دیدار نہیں کرا سکتا۔''

''سو رہنے دو، لینے کے دینے پڑ جائیں گے تو کہاں سے لاؤ گے؟'' زین ہنسا۔

''یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ میری فکر چھوڑو تم رقم بڑھاؤ۔''

''دو سو روپے؟'' کامران نے پوچھا۔

''نہیں پانچ سو تمہارے اور پانچ سو زین کے۔''

''منظور۔'' زین بولا۔ ''بلکہ تم چاہو تو ہزار یا دس ہزار کی بھی شرط لگا لو۔''

''میں تمہارے بٹوے میں اتنے بڑے ڈینٹ نہیں ڈالنا چاہتا۔''

''میرے بٹوے کو کچھ نہیں ہوگا، تم البتہ ہزار روپے تیار رکھنا، پانچ سو میرے اور پانچ سو کامران کے۔'' زین اٹھ کھڑا ہوا۔

''لڑکی کا نام تو بتا دو۔'' زمرد بائی کے چوبارے کی طرف جاتے ہوئے کامران نے پوچھا۔

''سامنے تین رہتی ہیں۔ کاجل، پائل اور زرقا خوبصورت ہیں یہ تینوں بھی، لیکن اہلِ

نظر اور اہلِ دل کے لیے یہ جیتی جاگتی لڑکیاں نگار کی تصویر کے پس منظر میں بالکل بے جان ہو جاتی ہیں۔''

''تو ہماری مطلوبہ لڑکی کا نام نگار ہے۔'' کامران پُرخیال انداز میں بولا۔

''صرف زین کی مطلوبہ لڑکی، کیونکہ اسے بھابی کو بھلانے کے لیے کسی خاص چیز کا دیدار کرانا ضروری ہے۔ تمہارے دل کا کوارٹر کیونکہ خالی ہے، اس لیے تم تو بقیہ تینوں میں سے کسی پر بھی فدا ہو سکتے ہو کیونکہ بری چیزیں وہ بھی نہیں ہیں۔''

''یہاں کا ماحول کیسا ہے؟'' کامران نے پوچھا۔

''یہاں کے باقی علاقے سے بہت مختلف۔'' وہ بولا۔ ''مجھے اسی لیے یہ لوگ پسند ہیں کہ ایک تو یہ لڑکیاں واہیات قسم کا میک اَپ نہیں کرتیں، دوسرے یہ لوگ وضع داری قائم رکھتے ہیں، اسی وجہ سے یہاں ہر قسم کے تماش بین نہیں آتے۔ ایک مخصوص طبقہ آتا ہے۔ ویسے یہاں آنے والے اچھے تو بہر حال نہیں ہوتے لیکن بظاہر سبھی معزز لوگ ان کے ہاں آتے ہیں۔''

''جب وہ لڑکی سامنے ہی نہیں آتی تو میں بھلا اس تک کیسے پہنچوں گا؟'' زین نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''میں تمہیں جگہ بتا دیتا ہوں جہاں وہ ملے گی، اس تک پہنچنا یا نہ پہنچنا تمہارا کام ہے۔ نہ پہنچے تو بھی تم شرط ہار جاؤ گے۔'' وہ بولا۔ ''بات بہت آسان ہے، بیٹھک سے اندر کی طرف ایک دروازہ کھلتا ہے، اس سے بائیں طرف نکل کر ایک گیلری آتی ہے، جس کے اختتام پر آخری کمرا اس کا ہے۔ اس کے آگے صحن ہے۔ تم صحن میں کھلی ہوا میں جانے کے بہانے اس کے کمرے میں جا سکتے ہو۔''

''اتنا آسان تھا اس کے کمرے میں جانا تو تم کیوں نہیں گئے اب تک؟'' کامران بولا۔ ''یہ ماننے کو تو میں تیار نہیں ہوں کہ تم نے کبھی کوشش نہیں کی ہوگی۔''

''ظاہر ہے کوشش تو کی تھی۔'' شعیب نے اعتراف کیا۔ ''اور ایک نہیں دو تین مرتبہ

کی تھی بلکہ مجھے اس کے کمرے کا پتا بھی محض اتفاقاً چلا تھا۔ ایک دن کمرے میں کچھ گھٹن محسوس کر کے میں صحن میں جانے کی غرض سے گیلری میں داخل ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے ایک آنچل لہراتا ہوا اس کمرے میں غائب ہو گیا ہو۔ دروازہ بند ہو گیا تو میں دبے قدموں آگے بڑھا۔ کمرے سے انگریزی کے نوٹس یاد کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اتنی مدھر کہ کیا بتاؤں۔"

"پھر؟" اب کامران کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"پھر یہ کہ میں کافی دیر تک سنتا رہا۔ اچانک گیلری میں قدموں کی آواز ابھری تو میں پلٹ آیا۔ زرقا مجھے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آ گئی تھی۔" شعیب نے بتایا۔ "پھر ایک مرتبہ میں وہاں گیا تو دروازے کے نیچے سے لائٹ نظر آ رہی تھی لیکن کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ کتنی دیر تک میں ہمت مجتمع کرتا رہا لیکن اتنی ہمت مجھ سے جمع نہ ہو سکی کہ دروازے پر دستک دیتا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر گیا تو کمرے سے گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ اتنی مدھر، اتنی خوبصورت کہ کیا بتاؤں، پہلے تو میں سنتا رہا پھر دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا، لیکن وہ بند تھا۔ دستک دی، ایک بار پھر دوسری مرتبہ، لیکن یا تو اس نے سنا نہیں یا پھر توجہ نہیں دی کیونکہ گھنگھروؤں کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ میں وہاں زیادہ دیر تک رک نہیں سکتا تھا، مجھے ڈر تھا کہ پھر کوئی آ جائے گا۔"

گلی میں ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ چوباروں میں جتنی رونق تھی، باہر اسی قدر سنسانی کا راج تھا۔ رات بہت بھیگ چکی تھی۔ ان کے قدموں کی چاپ، طبلے کے سُروں اور گھنگھروؤں کی جھنکار سے ہم آہنگ ہو کر ایک عجیب سا ماحول بنا رہی تھی۔ خنکی کافی بڑھ گئی تھی۔ وہ پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چوبارے کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

بیٹھک میں محفل عروج پر تھی۔ موتیے کی مہک تھی، طبلے اور سارنگی کے خوبصورت سُر تھے۔ گھنگھروؤں کی جھنکار تھی اور ایک حسینہ بہت خوبصورت رقص کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

شعیب نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ حسینہ خاصے ڈھنگ کے میک اَپ میں تھی اور اس کا لباس بھی خوبصورت ذوق کا آئینہ دار تھا لیکن یہ سب کامران اور زین نے بہت دیر سے محسوس کیا۔ انہوں نے اندر داخل ہوتے ہی دیواروں پر نگار کی تصویر کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں اور پھر ان کی نگاہیں اس کی تصویر پر جم کر رہ گئیں۔ وہ واقعی آسمانی پری تھی، سرو قد تھی، پارہ تھی، ایفروڈائٹ تھی اور نہ جانے کیا کیا تھی۔ اس مجسم حسن کو دیکھ کر انہیں یہ احساس بھی نہ ہوا کہ زمرد بائی انہیں خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ اب۔" شعیب نے انہیں ٹہوکا دیا تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئے۔

"کیسی رہی؟" اس نے سرگوشی کی۔ "آتے ہی لٹو ہو گئے نا؟"

"اس حسن کی داد نہ دینا تو زیادتی ہو گی۔" زین نے آہستگی سے اعتراف کیا۔ "لیکن داد تو میں بروک شیلڈ اور صوفیہ لورین کو بھی دیتا ہوں۔"

"خیر آگے بھی دیکھ لیں گے۔" شعیب ہنسا۔

طبلے کی تھاپ اور سارنگی کے سُروں پر موتیے کی خوشبو میں بسی حسینہ کا جسم کسی گلاب کی شاخ کی طرح بل کھا رہا تھا۔

"یہ زرقا ہے۔" شعیب نے تعارف کرایا۔

گو کہ وہاں بازاری پن نہیں تھا لیکن زین کے لیے یہ احساس ہی تکلیف دہ تھا کہ یہاں عورت کا وقار اور پاکیزگی تار تار ہو رہی تھی۔ اس کا حسن اور ادائیں بک رہی تھیں، وہ عورت جسے ایک گھر کی محفوظ چار دیواری میسر ہونی چاہیے، جس کا آنچل تقدس کی علامت ہونا چاہئے، جس کا حسن شرم وحیا میں لپٹا ہونا چاہیے، وہ یہاں چند سکوں کے عوض بک رہی تھی۔ اسے بجی سنوری یہ لڑکیاں بہت بے بس محسوس ہوئیں۔ اسے ان پر ترس آنے لگا۔ یکا یک موتیے کی مہک میں بسی وہ بیٹھک اسے عورت کی بے حرمتی کی بو میں لپٹی نظر آنے لگی۔

اس نے شعیب اور کامران کی طرف دیکھا۔ شعیب تو یوں بھی پرانا پاپی تھا، لیکن

کامران کے لیے یہ سب کچھ نیا تھا۔ اس کے تو حواس ہی ساتھ چھوڑتے لگ رہے تھے۔ زین آہستگی سے اٹھ کر بیٹھک سے ملحق گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھا۔ گو کہ اسے معلوم تھا کہ نگار کا کمرا کس جانب ہے لیکن وہ دبے قدموں اس کے کمرے سے آگے نکل گیا۔ اس کا اس وقت کھلی ہوا میں سانس لینے کو دل چاہ رہا تھا، اس نے نگار کے کمرے میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کی نظروں کے سامنے تمکین کی بے حد معصوم اور سادہ تصویر اُبھر آئی۔ کتنی پاکیزہ، کتنی مقدس تھی وہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس کی اپنی تھی، صرف اور صرف زین کی۔

وہ نگار کی تصویر دیکھ چکا تھا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ شعیب نے جو کچھ کہا تھا، وہ نگار کے حسن کے لیے بہت کم تھا۔ تمکین حسن میں کسی صورت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ تمکین بہت کیوٹ تھی، جانوسی، لیکن نگار ساحرہ تھی، حسنِ مجسم، اس کی خاطر سلطنتیں داؤ پر لگائی جا سکتی تھیں۔

پھر بھی اسے نگار میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ویسے ہی جیسے بروک شیلڈ، صوفیہ لورین اور لز ٹیلر اسے پسند تھیں لیکن صرف اسکرین پر۔ وہ ان کے حسن کا معترف ضرور تھا لیکن خواہش مند نہیں، اس کے لیے تمکین سے بڑھ کر اور کوئی نہیں تھا۔

صحن کی خنک فضا میں پہنچ کر اس نے جیکٹ کے کالر اوپر کر لیے اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ جنگلے کے پاس کوئی اور بھی موجود ہے۔

☆======☆======☆

رات کے آغاز کے ساتھ ہی پورے چوبارے میں گھنگھروؤں کی مدھر جھنکار پھیل گئی۔ نگار کو اپنے کمرے میں گھٹن محسوس ہونے لگی تو وہ شال اوڑھے ہمیشہ کی طرح باہر چلی آئی۔ اس وقت آسمان بالکل شفاف تھا اور اس کی گود میں بکھرے ہوئے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا کہیں دور سے موتیے کی مہک اپنے ساتھ لا رہی تھی۔ وہ جنگلے سے ٹیک لگا کر اپنے موجودہ حالات کا جائزہ لینے لگی، اس کے لیے سب راہیں بند تھیں۔ سوائے اس ایک راہ کے جس پر اس نے اب تک قدم نہیں اٹھائے تھے، لیکن اب حالات اسے اسی راہ کی جانب دھکیل رہے تھے۔ وہ مڑنا چاہتی تھی لیکن فرار کے تمام راستے مسدود تھے۔

اس کے پاس کوئی چوائس ہی نہیں تھی، وہ مزید ہتک، مزید بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ملمع کیے ہوئے گہنوں پر راضی نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اسے اپنی تمام زندگی اسی بے عزتی کے ساتھ گزارنی ہوگی۔ اس قفس میں اسے کوئی روزن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ پنجرے کی دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھی لیکن کوئی در وا نہیں ہو رہا تھا، وہ سسک اٹھی، اس کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی اُتر آیا۔

''یا اللہ!'' اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تُو نے مجھے کیوں شعور دیا؟ کتنے سکون سے زندگی گزار رہی تھی میں، تُو نے یہ آگہی دے کر مجھے اس دنیا کے قابل نہیں چھوڑا اور پھر یہاں کے سب در بھی بند کر دیئے۔ کتنا اچھا تھا، جب میں لاعلم تھی، بے خبر تھی، کتنی

آسانی سے یہ ذلت بھری زندگی قبول کر رہی تھی میں، لیکن اب میں اسے قبول نہیں کر سکتی۔ میں کوئی ہتک کوئی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے سر گھٹنوں میں دے دیا۔ "کیا میری آہیں بے اثر ہیں یا پھر تُو ہی بہت مصروف ہے اور اپنے بندوں کی فریاد نہیں سنتا۔ اگر تُو نے میرے لیے عزت کا دروازہ نہ کھولا تو میں سمجھوں گی کہ تُو کسی مظلوم کی دادرسی نہیں کرتا کسی کو دکھوں سے نجات نہیں دلاتا۔ پھر میں تجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ کبھی نہیں کبھی بھی نہیں۔" وہ روتی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ "ٹھیک ہے اگر میں عزت سے زندہ نہیں رہ سکتی تو عزت سے مر تو سکتی ہوں۔ میں نے جس راستے پر اب تک قدم نہیں بڑھائے۔ اس پر آئندہ بھی میرے قدم کبھی نہیں اٹھیں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆======☆======☆

وہ کسی لڑکی کا ہیولہ تھا جو زین کو دکھائی دیا تھا۔ شال میں لپٹی ہوئی وہ لڑکی چودھویں کے چاند کی روشنی میں کوئی یونانی دیوی لگ رہی تھی۔ اس نے جنگلے سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا سے اس کے کھلے ہوئے بے تحاشا لمبے بال اُڑ رہے تھے۔ وہ فضا میں نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ شاید دور کسی ستارے کو دیکھ رہی تھی۔ چاندنی میں زین کو اس لڑکی کو پہچاننے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگی۔ وہ یقیناً نگار تھی۔ زین کو خیال آیا کہ نگار کے کمرے کی لائٹ آف تھی۔ شاید وہ کافی دیر سے وہاں موجود تھی۔ اس سے پہلے کہ نگار اس کی جانب متوجہ ہوتی زین نے چاہا کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ اس نے سگریٹ فرش پر پھینک کر اسے پیر سے مسلا اور جانے کے لیے مڑا لیکن سسکیوں کی آواز سن کر ایک دم ٹھٹک گیا۔ آواز اسی جانب سے آ رہی تھی جہاں نگار کھڑی ہوئی تھی۔

زین نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ رو رہی تھی۔ آنسو متواتر اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ اپنی بے عزتی پہ رو رہی تھی۔ اپنی موجودہ حیثیت پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کر رہی تھی اور اپنی عزت کے آبگینے کی حفاظت کے لیے اس سے فریاد کر رہی تھی۔ زین وہیں کھڑا رہ گیا۔ یوں جیسے زمین نے اس کے قدم جکڑ لیے ہوں۔ اس نے چودھویں کے چاند کی جانب دیکھا جو چاندنی پھیلانے کے باوجود داغدار تھا۔ اسی کی طرح ملکوتی حسن کی دیوی نگار بھی گہنا چکی تھی۔ اس کی اس چوبارے پر موجودگی ہی اس کا گہن تھا۔ اس کا داغ تھا۔ ایسا داغ جسے چاہتے ہوئے بھی وہ دھونے سے قاصر تھی۔ زین ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔

اب وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی، موتیے کی مہک، طبلے کی تھاپ، گھنگھروؤں کی جھنکار کے بیچ اس کی یہ سسکیاں بہت عجیب تاثر دے رہی تھیں۔

پھر اس نے سر اٹھایا۔ "اگر میں عزت سے زندہ نہیں رہ سکتی تو عزت سے مر تو سکتی ہوں۔ میں نے جس راستے پر اب تک قدم نہیں بڑھائے اس پر آئندہ بھی میرے قدم کبھی نہیں اٹھیں گے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

"کیا یہ خودکشی کرنے جا رہی ہے؟" زین کے ذہن میں پہلا سوال یہی ابھرا۔

اپنے خیالات میں گم نگار نے اسے صحن میں کھڑے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

بیٹھک میں محفل عروج پر تھی۔ طبلہ اور سارنگی کی آوازیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ گھنگھروؤں کی جھنکار اور دادوتحسین کا شور ان دیواروں سے بھی پار جا رہا تھا۔

نگار کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک میز تھی اور وہ اس میز پر پڑی شال کا پھندا بنا کر چھت میں نصب پنکھے میں اٹکانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"احمق لڑکی!" زین اس کی جانب بڑھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

نگار نے وحشت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو یہاں؟" وہ چیخ پڑی۔ "اکیلا چھوڑ دو مجھے۔"

زین سنی ان سنی کر کے اس کے قریب گیا اور ایک جھٹکے سے شال اس کے ہاتھ سے کھینچ لی۔ ''اسے اس کام کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔'' زین نے شال کی گرہ کھولی۔

''نیچے اترو۔''

''تم کیوں آئے ہو؟ کس کی اجازت سے آئے ہو؟''

''میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔'' زین نے اپنے لہجے میں حتی الامکان دوستانہ پن پیدا کیا۔

''ہونہہ۔ دوست ہو۔'' اس نے نفرت سے اس کی جانب دیکھا۔ ''جیسے مونا تھی، جیسے نازش تھی۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔

''آئی ایم سوری میں مزید دوستوں کی متحمل نہیں ہوسکتی۔''

''اس دنیا میں سبھی انسان برے نہیں ہوتے۔'' زین کو معلوم نہیں تھا کہ مونا اور نازش کی دوستی نے اسے کیا زخم دیا تھا۔ اس لیے اس نے دفاعی انداز اختیار کیا۔ ''مثلاً دلدل کے بیچ رہتے ہوئے بھی تم کنول کے پھول کی طرح شفاف اور مقدس ہو۔ اسی طرح میں بھی برا نہیں ہوں۔ آج شاید تمہاری جان بچانے کے لیے قدرت نے مجھے یہاں بھیجا تھا ورنہ میں نے تو یہاں آنے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

نگار چند ثانیے تک بے یقینی سے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر میز پر بیٹھ کر رونے لگی۔

''میں نے اللہ تعالیٰ سے جان بچانے کی فریاد تو نہیں کی تھی۔'' اب وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ ''میں نے تو اس سے کچھ اور مانگا تھا۔ صرف اتنی سی فریاد کی تھی کہ وہ میرے لیے عزت کا دروازہ کھول دے۔ تم اگر صرف مجھے بچانے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ کیونکہ میں نے یہ دعا نہیں مانگی تھی۔ میں سمجھ لوں گی اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بہت مصروف ہے۔ میری فریاد، میری آہ و فغاں اس تک پہنچ ہی نہیں سکی۔ پھر میں خود جاؤں گی اس کے پاس، اس سے انصاف طلب کرنے کے لیے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے میری فریاد سن لی ہے اور تم میرے

لیے رحمت کے فرشتے بن کر آئے ہو تو۔''

ابھی بات نگار کے منہ میں ہی تھی کہ زین نے اسے شال اوڑھا دی۔

''میں رحمت کا فرشتہ تو نہیں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی ہے۔''

☆======☆======☆

تمکین کو منو پر بے تحاشا پیار آ رہا تھا۔ چھوٹا ہونے کے باوجود اس نے سب سے بڑے بڑے کام اپنے ذمے لے لیے تھے۔ لائٹس، شامیانوں، قناتوں اور کرسیوں کا انتظام کر لیا تھا۔ مہندی کے دن کے لیے کھانا پکانے والے ڈھونڈ لیے تھے۔ اکبری منڈی سے سارے مرچ مصالحے لے آیا تھا۔ کرکٹ کھیلنا اس نے بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ امتحان سر پر تھے وہ دن کو شادی کے انتظامات کی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا تھا اس لیے رات گئے تک پڑھنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ اس نے نہ صرف تمکین سے مختلف کھانے پکانے کی فرمائشیں بند کر دی تھیں بلکہ اسے تو تمکین کے کچن میں گھسنے پر بھی سخت اعتراض تھا۔ اسے برتن دھوتے دیکھتا تو سر پر آ سوار ہوتا۔

''بجو، آپ کیوں برتن دھو رہی ہیں۔ اتنے خوبصورت ہاتھ خراب ہو جائیں گے اور ناخن بھی ٹوٹ جائیں گے۔''

''میں نہیں دھوؤں گی برتن تو اور کون دھوئے گا۔'' وہ ہنس پڑتی۔

''میں دھوؤں گا آپ ہٹیں۔''

''مجھے کچن میں گھسنے والے مرد قطعاً پسند نہیں ہیں۔''

''آپ ہٹتی ہیں یا زبردستی ہٹاؤں۔'' وہ دھمکی دیتا۔

''اگر تم نے زبردستی کی تو میں بھی تمہیں سبق سکھاؤں گی۔'' وہ بھی اڑ جاتی۔

''کیا کر لیں گی میرا؟''

''یہ جو صابن لگا ہے ناں ہاتھوں پر، یہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔''

''آپ کے ہاتھ آ گیا تو مل دینا۔'' منو اس کا مذاق اڑاتا۔

''میں ابو سے شکایت کروں گی۔''

''یعنی جاتے جاتے بھی مرمت کرانے کا پروگرام ہے۔'' وہ ہنستا۔'' ویسے بجو امی نے ایک ماسی بھی تو رکھی ہے برتنوں کے لیے۔''

''وہ صبح آئے گی اور مجھے ساری رات اُلجھن ہوتی رہے گی کہ برتن گندے پڑے ہوئے ہیں۔''

پھر وہ چیختی رہ جاتی لیکن مُنو اس کے ہاتھ سے برتن لے کر دھوڈالتا۔

اس دن بھی وہ پریس سے شادی کے دعوت نامے لے کر آیا تھا۔

''اب انہیں تقسیم کرنے کی بھی سوچیں۔'' امی نے ابو سے کہا۔

''بلاؤ مُنو کو نام لکھنے کے لیے۔'' ابو بولے۔

مُنو قلم لے کر ابو کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مہمانوں کی لسٹ کھولی گئی اور دونوں اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ تمکین دوسرے کمرے میں بیٹھی جوڑے ٹانک رہی تھی۔ صوفیہ اور رباب کچھ دیر پہلے ہی گئی تھیں۔ امی اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں اور اس کی مدد کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد مُنو بھی دعوت نامے اٹھائے ان کے پاس ہی آ گیا۔

''امی جی، ابو کہہ رہے ہیں کہ شام کو تیار رہیں۔ دعوت نامے بانٹنے جانا ہے۔''

''اچھا۔'' امی بولیں۔

''بجو آپ ابھی تک کام میں لگی ہوئی ہیں۔''

''ظاہر ہے۔ اتنا کام بکھرا ہوا ہے، کون سمیٹے گا۔''

''اور وہ آپ کی سہیلیاں جو مدد کرنے کا کہہ کر آئی تھیں، مجھے تو نہیں لگتا کہ انہوں نے چائے پینے اور بسکٹ کھانے کے علاوہ بھی کچھ کام کیا ہے۔''

''تمہیں تو ان کا کوئی کام نظر ہی نہیں آتا۔'' تمکین نے اسے گھورا۔

''امی آپ نے بھی انہیں کام میں جوت رکھا ہے۔ اب ختم کرائیں ان سے کام۔ اپنے گھر میں مرضی سے چاہے کرتی پھریں۔''

''اچھی لڑکیاں کام سے نہیں گھبراتیں۔'' امی نے ہمیشہ والا جواب دیا۔ ''اور جو میری بیٹی ہے، یہ تو ہیرا ہے۔ وہاں سب کے دل جیت لے گی۔''

مُنو وہیں قالین پر دراز ہو گیا۔ ''اب بس کریں یہ سوئی میں دھاگا ڈالنا۔'' اس نے ہاتھ لمبا کر کے تمکین کے ہاتھ سے سوئی چھین لی۔ ''کبھی تھوڑی دیر کے لیے آرام بھی کر لیا کریں۔''

''ہاں تھوڑی دیر کمر سیدھی کر لو۔ صبح سے لگی ہوئی ہو۔'' امی نے بھی پیار سے کہا۔

تمکین صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

''میں نے تم سے چند ضروری باتیں کہنی تھیں۔'' تھوڑی دیر بعد امی بولیں۔

''جی امی کہیں۔'' تمکین ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ویسے تو مجھے تم پر پورا بھروسا ہے لیکن پھر بھی چند باتیں بتانا والدین کا فرض ہوتا ہے۔''

''آپ بتائیں میں سن رہی ہوں۔'' وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

'تم میں لڑنے جھگڑنے کی عادت نہیں ہے، بہت اچھی بات ہے، بعض اوقات جیسے اپنے گھر میں بھی کسی کی اچھی بُری سننی پڑتی ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کبھی سسرال میں بھی کوئی غصہ کرے، تو اس کا برا نہ ماننا۔ نہ میکے کی بات سسرال میں کہنا نہ سسرال کی بات میکے میں۔ اس طرح بہت سی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں اور حالات سنورنے کے بجائے بگڑتے ہیں۔ اپنے شوہر کے آرام و آسائش کا ہمیشہ خیال رکھنا اور یاد رکھنا کہ ماں باپ کے گھر سے بیٹی ڈولی پر رخصت ہوتی ہے اور جنازہ سسرال سے اٹھتا ہے۔''

تمکین نے شرارت سے مُنو کو دیکھا جو امی سے اختلاف کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

تمکین کو شرارت سے مسکراتے دیکھ کر اس کا موڈ اور آف ہو گیا۔

''اور بجو والدین کے علاوہ بھائیوں کا بھی فرض ہے کہ وہ رخصت ہوتی ہوئی بہنوں کو عقل کی کوئی بات سکھائیں کیوں امی؟'' اس نے تائید طلب نگاہوں سے ان کی جانب

دیکھا۔

امی جو پچھلے دنوں اسے شادی کے انتظامات میں جتا دیکھ کر اس کی سعادت مندی اور فرمانبرداری کی قائل ہو چکی تھیں ایک دم بولیں۔

''کیوں نہیں کیوں نہیں۔ آخر رخصت تو تم ہی نے کرنا ہے بہن کو۔''

''ہاں تو بجو یہ چند نصیحتیں پلو سے باندھ کر رکھنا۔'' مُنو بولا۔ ''آپ کو ایسی لڑکی نہیں بننا کہ سسرال والے سر پر جوتے لگائیں اور آپ چپ چاپ تکیے میں منہ چھپا کر اور آنسو بہا کر افسانوی ہیروئن بننے کی کوشش کریں کیونکہ یہ آپ کی زندگی ہے افسانہ نہیں جس میں دس بارہ صفحات کے بعد اچانک آخری چند لائنوں میں ہیرو کو عقل آ جاتی ہے۔ حقیقی زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ رونے سے کسی کو قائل نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری بات یہ کہ حالات کے ہاتھوں مرنے والی لڑکی کا جنازہ کسی بھی جگہ سے عزت کے ساتھ نہیں اٹھتا۔ خواہ وہ سسرال ہو یا ماں باپ کا گھر۔ ہاں ہمت اور جرأت والی لڑکیاں نہ صرف باعزت طور پر زندگی گزارتی ہیں بلکہ ہر جگہ سے باعزت طور پر رخصت بھی ہوتی ہیں چاہے والدین کے گھر سے رخصت ہوں یا سسرال سے آخری سفر کے لیے۔

اور سب سے اہم بات یہ کہ شوہر کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے اور یہی فرض اس کا بھی ہے۔ اگر وہ اپنا فرض پورا نہ کرے تو اس سے اپنے اس حق کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ پھر بھی آپ کو آپ کا حق نہیں دیتا تو یاد رکھیں، شادی کے بعد ماں باپ اور بھائی غیر نہیں ہو جاتے۔ اندر ہی اندر کڑھنے کے بجائے اپنے بھائی کو بتائیں۔ میں آپ سے چھوٹا ضرور ہوں لیکن اتنا اپنے زورِ بازو پر یقین ہے مجھے کہ آپ کو اس تکلیف سے نجات ضرور دلا دوں گا۔''

اب امی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ ''کبھی بہن کا گھر بسنے کی بات نہ کرنا۔ کیا کرو گے تم؟ بندوق لے کر سب کو گولیوں سے اُڑا دو گے؟ اس طرح گھر نہیں بسا کرتے۔ بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں عورت کو، تب جا کر وہ سسرال میں اپنا مقام بناتی ہے ورنہ

شوہر چٹیا سے پکڑ کر نکال باہر کرتا ہے۔''

''اوہو یہ تو میں کہنا بھول ہی گیا۔'' مُنو نے عینک کے اوپر سے تمکین کو دیکھا۔ ''بجو کبھی بال لمبے نہ کرنا۔ نہ ہوگی چٹیا، نہ شوہر کے ہاتھ آئے گی۔''

تمکین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ امی کا پارہ اور بھی اوپر چڑھ گیا۔ انہوں نے پاس پڑی جوتی اٹھائی اور مُنو کو کھینچ ماری۔ وہ اس قسم کے حملے کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔ اس نے بہت آرام سے جوتی کیچ کر لی۔

''امی آپ تو آتے کے ساتھ آؤٹ ہو گئیں۔'' مُنو نے قہقہہ لگایا۔

''ٹھہرو بتاتی ہوں تمہارے ابو کو۔'' پھر وہ تمکین کی طرف مڑیں۔ ''اس کی بیوی سر پر ناچے گی اس کے۔ لکھوا لو مجھ سے ابھی۔''

تمکین جس نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی پر بند باندھے تھے ایک دم پھر سے ہنس دی۔

''ہاں ہاں اُڑا لو تم دونوں جی بھر کے مذاق۔'' امی غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''امی میں مذاق تو نہیں اُڑا رہی، مجھے تو آپ کی بات سن کر ہنسی آ گئی تھی۔'' تمکین نے جلدی سے صفائی پیش کی لیکن امی رکیں نہیں اور واک آؤٹ کر گئیں۔

''تم نے خواہ مخواہ امی کو ناراض کر دیا۔'' تمکین اس پر برس پڑی۔

''امی کیوں الٹی پٹیاں پڑھا رہی تھیں آپ کو۔''

''یہ میرا اور امی کا معاملہ ہے تم کون ہوتے ہو بیچ میں آنے والے۔''

''میں آپ کا بھائی ہوں۔ اگر امی نے آپ کو بحیرۂ عرب میں پھینکنے کا تہیہ کیا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسے آپ کا اور امی کا معاملہ سمجھ کر چپ چاپ دیکھتا رہوں۔ بے وقوف ہی سہی لیکن ہیں تو آپ میری بہن۔''

تمکین ہنس پڑی۔ ''اٹھو اب امی کو مناؤ۔ چلو جلدی کرو۔''

''یہ بھی تو مسئلہ ہے کہ امی کو ناراض نہیں دیکھ سکتا۔'' مُنو اٹھ کر امی کے کمرے کی

طرف چل دیا۔

تمکین کو معلوم تھا کہ اسے امی کو راضی کرنے میں ایک منٹ سے بھی کم وقت لگے گا اس لیے وہ مطمئن ہوگئی۔

شام کو امی ابو قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کو دعوت نامے دینے جا رہے تھے تو تمکین کو اچانک خیال آیا۔

''امی آج تو برائیڈل وعروسی جوڑا بھی ملنا تھا۔''

''مجھے یاد ہے برائیڈل لے کر ہی دعوت نامے دینے جائیں گے۔ بعد میں دکان بند نہ ہو جائے۔''

ان کے جانے کے بعد تمکین نے ٹی وی کھول دیا۔ مُنو ساتھ والے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔

''ولیمے کا جوڑا ابھی تک مل گیا ہوگا''، تمکین نے سوچا۔ ''لیکن ندا نے اب تک فون نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے، اب تک ملا ہی نہ ہو لیکن اس صورت میں بھی وہ فون تو ضرور کرتی۔ اور پارلر سے ٹائم لینے کے متعلق بھی اس نے کچھ نہیں بتایا۔ میں خود فون کر نہیں سکتی۔ ویسے ندا کو دونوں صورتوں میں بتا دینا چاہیے تھا تا کہ اگر اس سے ارینج نہیں ہوا تو پھر میں اپنے پارلر سے بات کر کے ٹائم لے لیتی۔''

دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی۔ تھوڑی دیر بعد مُنو نے اسے آواز دی۔

''بجو آپ کا فون ہے۔''

''ندا کا ہوگا۔'' وہ جلدی سے اٹھی۔

''جی نہیں۔ آپ کے ان کا فون ہے۔''

''انہیں فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی''، تمکین بولی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس جنون کے دورے اکثر اوقات زین کو پڑتے رہتے ہیں جب بیٹھے بٹھائے اچانک وہ ان کا نمبر ڈائل کرنے لگتا تھا یا ندا کو لے کر بہانے سے ان کے گھر آ جاتا تھا۔ ندا کے بقول

زین کو تمکینز یا ہو گیا تھا اور خطرناک حدوں کو چھو رہا تھا۔ یہ سوچ کر تمکین مسکرا دی۔ مُنو کمرے سے باہر لاؤنج میں جا چکا تھا۔ اس نے فون اٹھالیا۔

''ہیلو۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''ہیلو تمکین کیسی ہو؟'' زین کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

ہاں وہ زین ہی کی آواز تھی لیکن ہمیشہ والی گرم جوشی اور شوخی سے عاری۔ اس طرح تو عام سے دوست بھی بات نہیں کرتے۔ رسماً ہی سہی تھوڑی بہت گرم جوشی کا مظاہرہ تو کرتے ہی ہیں لیکن زین کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ جذبات کے رنگوں کے بغیر۔ پر تمکین نے اسے اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی۔ ''لیکن آپ کو اس طرح فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ تو شکر ہے امی ابو نہیں تھے اور فون مُنو نے ریسیو کیا۔''

تمکین کا خیال تھا کہ اس کی بات کے جواب میں زین ہمیشہ کی طرح اپنی بے تابیوں، بے قراریوں کی داستان سنانے لگے گا لیکن اس وقت اسے بہت حیرت ہوئی جب زین بولا۔ ''فون کرنا بہت ضروری تھا۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''باتیں کرنے کے لیے ہی تو آپ فون کرتے ہیں۔''، تمکین آہستہ سے ہنسی۔

''یہ باتیں فون پر نہیں ہوسکتیں۔''

''پھر؟''

''کہیں باہر مل سکتی ہو مجھے؟''

''جی؟''، تمکین تو حیرت سے گنگ رہ گئی۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہ مجھ سے کہیں باہر مل سکتی ہو؟''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' وہ اپنے حواسوں میں آئی تو اس نے احتجاج کیا۔

''کسی بھی طرح، کسی بھی طریقے سے۔''

''دیکھیں، مجھے تو فون پر بات کرتے ہوئے اتنی گھبراہٹ ہوتی ہے۔'' اس نے

بہت معصومیت سے کہا۔ ''اور پھر شادی سے پہلے ہم بھلا یوں کیسے مل سکتے ہیں۔''

''یہ بہت ضروری ہے۔''

''پلیز آپ خفا نہ ہوں لیکن یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ نہ امی اجازت دیں گی اور نہ ہی مجھے یوں ملنا اچھا لگے گا۔''

''بات تو ضروری ہے، پھر یہیں کرنی پڑے گی۔ میں یہ چاہتا تھا کہ آرام سے بیٹھ کر تفصیل سے تم سے بات کروں۔ بہر حال اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر مجبوری ہے۔'' زین نے گہری سانس لی۔ ''سنو تمکین مجھے بہت افسوس ہے لیکن اس سلسلے میں میں مجبور ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تمہارے ساتھ سخت زیادتی ہوگی لیکن بعض اوقات ہم جو کچھ سوچتے ہیں ویسا نہیں ہوتا بلکہ حالات خود ہمارے لیے راستے متعین کرتے ہیں۔''

''یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' کچھ نہ جانتے ہوئے بھی تمکین کا دل کانپ اٹھا۔ زین کے سنجیدہ لہجے سے اسے یقین ہو چلا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ اچھا نہیں ہوگا۔ اس نے اندیشوں کو اپنے ذہن سے کھرچ کر پھینک دینا چاہا لیکن وہ ویسے ہی اپنی جگہ قائم رہے۔

''آ۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کچھ باتیں انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں نہ صرف تمہیں چاہا ہے۔ تم سے محبت کی ہے اور کرتا رہوں گا۔ تمہارے لیے زندگی کی شاہراہ بہت وسیع بہت خوش نما ہے لیکن کوئی اور ہے جس کے لیے زندگی اپنا مفہوم کھو چکی ہے۔ جس کا زندگی پر پورا حق ہے لیکن زندگی اسے یہ حق دینے پر تیار نہیں ہے۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے زندگی سے ناتا توڑتے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر میں نے اسے نہ بچایا تو انسان کا انسانیت پر سے ایمان ہمیشہ کے لیے اٹھ جائے گا۔'' زین کہہ رہا تھا۔ ''اپنی تمام تر چاہت اور خواہش کے باوجود بھی شاید میں تمہیں کبھی کچھ نہ دے سکوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس تمہارے لیے کچھ اچھی خبر نہیں ہے۔''

''پلیز اتنا ہی کافی ہے۔'' تمکین کی آواز اندیشوں سے کانپ رہی تھی۔ ''مجھ میں کوئی بری خبر سننے کی ہمت نہیں ہے۔ پلیز زین کہہ دیں کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں، وہ غلط ہے۔ مذاق ہے۔ آپ صرف مجھے ستا رہے ہیں، تنگ کر رہے ہیں پلیز۔'' اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا لگ گیا۔

''سوری تمکین، میں تمہیں اتنی سی تسلی بھی نہیں دے سکتا کیونکہ اس میں ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں ہے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ بالکل سچ ہے۔'' زین کے لہجے میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ''میں یہ منگنی توڑ رہا ہوں، اس لیے نہیں کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے بلکہ اس لیے۔''

تمکین میں مزید کچھ سننے کا حوصلہ نہیں تھا۔ اب رہ بھی کیا گیا تھا کہنے سننے کے لیے؟ سارے فیصلے تو زین نے خود کر لیے تھے۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ سر پر گویا کوئی ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ ''ریجیکٹیڈ، ریجیکٹیڈ، ریجیکٹیڈ۔''

''نہیں۔'' وہ چیخ پڑی۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

مُنو دوسرے کمرے سے بھاگا ہوا آیا۔

''بجو کیا ہوا؟'' اس نے تمکین کو سہارا دیا۔ وہ مُنو کے سینے سے لگ کر سسک اٹھی۔

''نہیں مُنو ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' مُنو نے نیچے گرا ہوا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا لیکن لائن کٹ چکی تھی۔ اس نے کریڈل پر رکھ دیا اور تمکین کو وہیں بستر پر بٹھا دیا۔

''بجو ٹیک اٹ ایزی۔'' وہ بولا۔ ''ٹھہریں میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔''

وہ بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آیا۔

''یہ لیں۔'' اس نے زبردستی گلاس تمکین کے لبوں سے لگایا۔

''اب بتائیں ہوا کیا ہے؟'' مُنو اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سامنے قالین

پر بیٹھ گیا۔

دکھ اور افسوس کی ایک اور لہر اٹھی اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

''زین بھائی نے کچھ کہہ دیا ہے۔''

تمکین نے اپنے ہاتھ چھڑا کر چہرے کو ڈھانپ لیا۔ ہچکیاں لینے کی وجہ سے اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

''بجو کچھ تو کہیں، کچھ تو بولیں۔'' مُنو کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جب اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی تمکین نے کچھ نہ بتایا تو اس نے فون اٹھا کر زین کا نمبر ڈائل کیا۔ کتنی دیر تک گھنٹی بجتی رہی لیکن دوسری طرف سے کسی نے فون نہ اٹھایا تو مجبوراً اسے بھی فون رکھنا پڑا۔ وہ پھر تمکین کی طرف متوجہ ہوا۔

''بجو چلیں بے شک نہ بتائیں کہ ہوا کیا ہے لیکن اتنا روئیں تو مت۔ پلیز بجو۔'' اس نے آہستگی سے تمکین کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ ''آپ تو میری ہر بات مانتی ہیں۔''

تمکین مُنو کی ہمدردی پا کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہ دیر تک اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ یہ بات تو وہ سمجھ چکا تھا کہ زین نے تمکین سے کچھ کہہ دیا ہے لیکن یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اصل میں بات اتنی چھوٹی نہیں تھی۔

''مُنو انہوں نے منگنی توڑ دی ہے۔'' بالآخر اس نے ہچکیوں کے بیچ بتایا۔

''کیا؟'' پہلے تو مُنو کو اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہ آیا۔ ''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

لیکن یہ ہو چکا تھا۔ شادی سے صرف بیس دن قبل جب سب تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ دعوت نامے بانٹے جا رہے تھے۔

''بجو وہ لوگ یہ نہیں کر سکتے۔ اتنی آسانی سے وہ ہماری عزت سے نہیں کھیل سکتے۔ ہم نے کتنے لوگوں کو گواہ بنا کر یہ رشتہ طے کیا تھا کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں رچایا تھا۔''

وہ ایک مرتبہ پھر فون کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف مسلسل گھنٹی بج رہی تھی لیکن کوئی

فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''بجو آپ بے فکر رہیں۔ آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا میں۔'' اس نے تمکین کا سر اپنے سینے سے لگایا۔

رات ساڑھے دس بجے کے قریب کار کا ہارن سنائی دیا۔ ''امی، ابو آئے ہوں گے۔'' مُنو اٹھا۔

''انہیں آتے ہی یہ خبر مت سنا دینا۔ ابو ویسے بھی دل کے مریض ہیں۔ وہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔'' تمکین کی آنکھوں میں پھر ڈھیروں پانی اتر آیا۔

''اچھا۔'' مُنو گیٹ کھولنے چل دیا۔

تمکین نے جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔

''تمکین۔'' دور سے امی کی آواز آئی۔ ''تمکین بیٹا۔ دیکھو کتنا اچھا لگ رہا ہے تمہارا عروسی جوڑا۔''

امی بہت خوش لگ رہی تھیں۔ بڑے سے دو نقرئی ڈبے ان کے ہاتھ میں تھے۔ وہ اتنی خوش اتنی پُر جوش تھیں کہ انہوں نے تمکین کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔

''چلو کمرے میں تمہیں دکھاؤں۔'' وہ اس کی کمر میں بازو ڈال کر اسے اس کے کمرے میں لے آئیں۔

''شہزادی لگے گی میری بیٹی۔ بالکل شہزادی۔''

انہوں نے ایک ڈبہ کھول کر دوپٹہ نکالا اور اس کے سامنے بستر پر پھیلا دیا۔ پھر دوسرے ڈبے سے بھرے ہوئے کام والا لہنگا نکال کر اس کے گھٹنوں پر رکھ دیا تمکین کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ کر پھر رو دی۔

''نہ نہ روتے نہیں ہیں۔'' امی نے اسے چمکارا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ گھر چھوڑنے کے خیال نے تمکین کو اداس کر دیا ہے۔ ''بدشگونی ہوتی ہے یہ۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خوشیوں

کی دعا کرنی چاہیے۔تم دونوں خوش رہو،ہمیں اس کے علاوہ کچھ نہیں کرنا چاہیے۔''

تمکین نے بھیگی پلکیں اٹھا کر امی کی طرف دیکھا۔وہ کتنی خوش تھیں۔اسے یاد آیا کہ پہلے وہ ہر وقت اس کے لیے فکر مند رہا کرتی تھیں۔ذات برادری کی ان کے نزدیک بہت اہمیت تھی اور اسی وجہ سے کئی بہت اچھے رشتوں سے انکار ہو چکا تھا۔پھر زین کا رشتہ آیا تو گویا ان کی دلی مراد پوری ہوگئی۔اور اب وہ ایک دم مصروف ہوگئی تھیں۔کتنی خوشی سے مختلف کام نمٹا رہی تھیں۔وہ انہیں پھر دکھ دینے لگی تھی۔کب تک چھپا سکتی تھی ان سے یہ بات۔آخر کو تو اسے بتانا ہی تھا۔مُنو بھی اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔

دکھ نے اسے بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔وہ امی سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ سامنے پڑا سرخ جوڑا اٹھالیں اور کسی ایسی جگہ رکھ دیں جہاں تمکین کی اس پر نظر نہ پڑے اور وہ مزید دکھی نہ ہو لیکن اس کے اندر ہمت نہیں تھی۔اس کا سب کتابی علم،تمام فلسفے زندگی کی اس چھوٹی سی حقیقت کے سامنے سرنگوں ہو گئے تھے۔وہ دیوار سے ٹیک لگائے چپ چاپ کھڑا تھا۔

''تم دونوں چپ کیوں ہو گئے۔''امی نے کہا۔''ادھر آؤ مُنو میرے پاس۔''انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔''بہنوں کو ایک دن رخصت کرنا ہی پڑتا ہے۔ پگلے یہ تو خوشی کی بات ہے کہ تم اتنی سی بات پر اداس کیوں ہو گئے ہو۔''

''امی انہیں اندر رکھ دیں۔''تمکین نے تمام تر ہمت مجتمع کر کے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ان سے یہ بات چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔بہتری اسی میں تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو انہیں بتا دیا جائے۔''فی الحال میں کہیں نہیں جا رہی۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو۔''امی نے اسے گھورا۔''اس طرح کی بات نہیں کرتے۔بد شگونی ہوتی ہے۔''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔''اس نے دوپٹہ تہہ کرنا شروع کیا۔''میں کہیں نہیں جا رہی۔بھول جائیں وہ سب جو اب سے پہلے ہو چکا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟''امی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا پھر وہ مُنو کی طرف

مڑیں۔''تم بتاؤ کیا بات ہے؟''

''امی بجو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''تمکین کی بات نے اس کے اندر بھی ہمت پیدا کر دی تھی۔''یہ رشتہ ختم ہو چکا ہے۔''

''بکتے ہو۔''امی بے یقینی سے بولیں۔''اس قسم کا مذاق کرنے سے پہلے سوچ تو لیا ہوتا کہ۔''

''امی، یہ مذاق نہیں ہے۔''مُنو نے ان کی بات کاٹی۔''مذاق تو وہ ہے جو ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔''

امی کچھ دیر تک بے یقینی سے ان کی جانب دیکھتی رہیں لیکن ان کے چہرے اس طوفان کی کہانی سنا رہے تھے جو آ چکا تھا۔

☆======☆======☆

''اتنی نیچ اور گھٹیا حرکت کرنے سے پہلے تم نے یہ تو سوچا ہوتا کہ یہ صرف ایک لڑکی کا معاملہ نہیں ہے۔تمکین اور اس کے پورے گھرانے کی عزت کا مسئلہ ہے۔''زین کی امی اس پر برس رہی تھیں۔

''ہم نے انہیں زبان دے رکھی ہے۔کس منہ سے جاؤں گی ان سے معذرت کرنے،کیسے بتاؤں کہ میرے ہونہار بیٹے نے ان کی بیٹی کو رد کر کے ایک طوائف کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''امی میں اپنی بات صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی معذرت نہیں کروں گا کیونکہ میں کچھ بھی غلط نہیں کر رہا۔میں نے آپ کو ساری بات بتا دی ہے۔اپنے لیے یہ راستہ میں نے خود نہیں چنا۔حالات نے مجھے اس راہ پر چلنے کے لیے مجبور کر دیا ہے اور اب میں اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔''

''ہاں آپ کیوں اپنے قدم پیچھے ہٹانے لگے۔''ندا غصے سے چلائی۔اسے زین کی اس حرکت سے سخت صدمہ پہنچا تھا۔رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں سُجا لی تھیں۔''وہ بہت

خوبصورت ہو گی، اتنی کہ اسے دیکھ کر آپ تمکین کو بھی بھول گئے کہ آپ گھنٹوں اس کی تصویر کو تکا کرتے تھے۔ اب جب آپ کو اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی نظر آ گئی ہے تو آپ اپنی منگیتر کو بھول گئے۔ کل اس کی خاطر اپنی ماں اور بہنوں کو بھی بھول جائیں گے اور آپ کے پاس اس کا بھی گھڑا گھڑایا جواب ہو گا کہ آپ کے لیے یہ راستہ بھی حالات نے چنا ہے۔ جیسے آپ کی منگیتر گئی بھاڑ میں ویسے ہی ماں اور بہنیں بھی جائیں بھاڑ میں۔''

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں اس کی خوبصورتی سے متاثر نہیں ہوا'' وہ چڑ ہی گیا پھر سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''اگر کوئی تمہارے سامنے اپنی زندگی ہار رہا ہو صرف اس عزت کی خاطر جو تمہیں تو حاصل ہے لیکن اس کے پاس اس کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں تو تم کیا کرو گی؟ بولو کیا فیصلہ ہو گا تمہارا؟''

''یہ عزت تو مقدر کی بات ہے اور مقدر کو کون بدل سکتا ہے۔ آپ اسے لے بھی آئے تو وہ عزت حاصل نہیں کر سکے گی۔ وہ برا کرے گی تو سب ہی کہیں گے کہ تھی ناں کوٹھے والی اور اچھا کرے گی تب بھی یہی کہہ کر اس کی تعریف کی جائے گی کہ تھی تو طوائف لیکن شادی کے بعد کس قدر بدل گئی ہے۔ قدرت نے یہ لیبل اس کے اوپر چسپاں کر دیا ہے۔ بھائی آپ اس سے شادی کر کے بھی یہ لیبل اس پر سے نہیں ہٹا سکتے، اس کی پیشانی کا داغ نہیں دھو سکتے۔'' ندا بولی۔ ''اور آپ جانتے ہیں کہ آپ کی اس حرکت سے آپ کی بہنوں کے مستقبل پر کیا اثر پڑے گا؟''

''بہنیں اپنے گھروں میں آرام سے رہیں گی۔ چاہیں تو ملنے آ جائیں، ان کے لیے اس گھر کے دروازے کھلے رہیں گے۔ نہ چاہیں تب بھی میں انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔''

''بھائی کبھی سوچا آپ نے کہ یہی کچھ جو آپ نے تمکین کے ساتھ کیا اظہر نے میرے ساتھ کیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ کیا کرتے آپ؟''

''چپ کر جاؤ۔'' زین نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔ ''میں کسی چیز کو، کسی بات کو Justify نہیں کروں گا۔ مجھے تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی کے سامنے صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وہی کر رہا ہوں جو مجھے کرنا چاہیے۔ تمکین کو ہاتھ تھامنے والے کئی مل جائیں گے لیکن نگار کو کوئی نہیں ملے گا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں، اسے تبدیل نہیں کر سکتا اور تمہیں خود کو اس معاملے میں ملوث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' زین نے کار کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

''مجھے ملوث کر چکے ہیں آپ۔'' ندا چلائی۔ ''مجھے اپنا آپ داؤ پر لگا کر بھی تمکین کا گھر بسانا پڑا تو میں یہ بھی کر گزروں گی۔ آپ اپنی زبان سے پھر سکتے ہیں لیکن ہم نہیں۔''

☆======☆======☆

''سارا قصور تمہارا ہے۔'' امی کا اور کسی پر بس نہ چلا تو وہ مُنّو پر برس پڑیں۔ ''تم ہی بدفالیں نکالتے تھے منہ سے۔ کتنی مرتبہ منع کیا تھا میں نے کہ یہ بدشگونی کی باتیں مت کرو لیکن بہت پڑھ لکھ گئے ہو ناں۔ ماں پاگل ہو گئی ہے تمہارے سامنے کبھی ایک نہیں سنی تم نے میری۔ دیکھ لیا اس کا انجام۔ اس کا گھر بسا بھی نہیں تھا کہ اجڑ گیا۔''

مُنّو دیوار سے ٹیک لگائے قالین پر بیٹھا سر جھکا کر امی کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے غم سے اس کا دل پھٹ جائے گا۔

''شاید میری باتوں کی وجہ سے ایسا ہوا ہو'' اس نے سوچا۔ ''لیکن میں نے کبھی یہ سوچ کر تو کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں کیسے یہ چاہ سکتا تھا کہ بجو کی آنکھوں میں آنسو آئیں۔ ان کے خواب چکنا چور ہوں۔''

''دیکھی ہے اپنے باپ کی حالت۔ اس عمر میں انسان اولاد کی خوشیاں دیکھنا چاہتا ہے اور انہیں یہ غم دیکھنا پڑ رہا ہے۔ کس کس کو جا کر بتائیں گے کہ شادی سے صرف بیس دن قبل ہماری بیٹی کا رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ جب ہر انتظام مکمل ہو گیا تھا، دعوت نامے تک بانٹ دیئے گئے تھے۔'' امی رو پڑیں۔ ''یہ کیسی کالک ملی ہے ان لوگوں نے ہمارے منہ پر۔ لوگوں کو تو باتیں کرنے کا موقع ملے گا۔ ہمدردی کے پردے میں وہ وہ باتیں سننا پڑیں گی

کہ کلیجہ چھلنی ہو جائے گا۔ کہاں سے دوسرا رشتہ ڈھونڈیں گے۔''

مُنو اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے امی کو چپ کرانے لگا۔ ابو کو جب سے پتا چلا تھا انہوں نے صرف ایک مرتبہ تمکین کو تسلی دی تھی اور اس کے بعد وہ بالکل گم صم ہو گئے تھے۔ نہ کھاتے پیتے تھے نہ کسی سے بولتے تھے۔ تمکین پوری کوشش کر رہی تھی کہ وہ کچھ کھا پی لیں لیکن انہوں نے تو سب کچھ اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

''امی آپ ہی ابو کو منائیں۔'' تمکین کمرے میں آئی۔ ''لیکن آپ ان کی دیکھ بھال کیا کریں گی۔ آپ کو تو خود دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''کیوں رو رہی ہیں آپ؟ نہ آسمان ٹوٹا ہے نہ زمین شق ہوئی ہے۔ امی یہ زندگی کا اختتام تو نہیں ہے۔ آپ کو خدا پر بھروسا نہیں ہے کیا؟ وہ تو گناہ گاروں کی بھی پردہ پوشی کرتا ہے۔ پھر ہم تو بے قصور ہیں کیا وہ ہماری مدد نہیں کرے گا؟'' اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھایا۔ اپنے آنسو پونچھیں اور ابو کو دیکھیں۔ میں کھانا لگا کر آتی ہوں۔ پلیز انہیں کھانے پر راضی کریں۔''

''بجو آپ تو جانتی ہیں ناں کہ میں نے کبھی کسی بری نیت سے آپ سے وہ باتیں نہیں کی تھیں۔'' امی کے جانے کے بعد مُنو بولا۔

''تم کیوں امی کی باتوں کو دل سے لگاتے ہو۔ امی ابھی اس صدمے کو برداشت نہیں کر سکیں۔ انہیں کسی نہ کسی پر تو غصہ نکالنا ہے اور وہ یہ غصہ اسی پر نکالیں گی جو آسانی سے ہاتھ لگ جائے گا۔ تم اپنا دل برا مت کرو اور چپ چاپ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اُڑا دو۔'' تمکین نے اسے تسلی دی۔

''بجو میں نے اصل بات کا پتا کیا ہے۔'' مُنو نے کہا۔ ''وہ ذلیل شخص کسی طوائف کے چکر میں پڑ گیا ہے۔''

تمکین نے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر سر جھکا کر پاؤں کے ناخن سے قالین کھرچنے لگی۔

''کبھی میں سوچتا ہوں کہ شاید یہ اچھا ہی ہوا۔ اگر شادی کے بعد ایسا ہوتا تو بہت برا ہوتا۔ ہم میں سے کوئی بھی برداشت نہ کر سکتا۔ ہر کام میں قدرت کی مصلحت ہوتی ہے۔''

''منو'' تمکین نے سر اٹھایا۔ ''تم تو ایسے نہیں سوچتے تھے۔''

''بجو، حالات انسان کی سوچ میں بہت تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔'' منو بولا۔ ''میں نے تو یہ بھی سوچا تھا کہ کہیں سے بندوق لے کر ڈھیروں گولیاں اس کے سینے میں اتار دوں جس نے آپ کو دکھ دیا ہے لیکن پھر مجھے یہ خیال بہت احمقانہ محسوس ہوا۔ اس سے آپ کی خوشیاں تو واپس نہ آ سکتیں اور دکھ انہیں ملتا جو اس قصور میں حصے دار نہیں تھے یا پھر یہ سب غلط ہے۔ میں ہی بہت بزدل ہوں کہ ایسا نہیں کر سکا۔''

''نہیں منو، تم نے جو کیا ٹھیک کیا لیکن تمہاری ابھی کی سوچ ٹھیک نہیں ہے۔'' تمکین نے کہا۔ ''تم تو ہمیشہ مجھ سے یہی کہتے تھے کہ حق کسی کو یونہی نہیں مل جاتا چھیننا پڑتا ہے۔ تم کہتے تھے کہ مجھ میں حق حاصل کرنے کی صلاحیت ہے لیکن میں نے اپنے حقوق کا تعین نہیں کیا۔ لیکن مُنو اب میں نے اپنے حقوق کا تعین کر لیا ہے۔''

''آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟''

''میں اپنا حق چھیننا چاہتی ہوں۔ منگنی کا فیصلہ زین نے اکیلے نہیں کیا تھا۔ اسے توڑنے کا اختیار بھی اکیلے زین کے پاس نہیں ہے۔ اس نے اتنے لوگوں کی موجودگی میں مجھے اپنانے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسے ہر حال میں نبھانا ہوگا۔ میں اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔''

☆======☆======☆

''تم نے تو حد کر دی یار۔'' شعیب نے زین سے کہا۔ ''مانا وہ بے حد خوبصورت ہے لیکن خالی خوبصورتی میں کیا رکھا ہے۔ ہے تو اس محلے کی جہاں عزت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔''

''میں اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اسے نہیں اپنا رہا۔'' زین جھلا گیا۔ ہر کسی نے

اسے نگار کی خوبصورتی کا طعنہ دیا تھا۔'' وہ عزت کی زندگی کی خاطر فریاد کر رہی تھی لیکن جب اس کی امید نہیں رہی تو وہ اس زندگی سے ہی چھٹکارا پانے کی تدبیر کرنے لگی۔ پھر کیا کرتا میں؟ اسے خودکشی کرتے ہوئے دیکھتا رہتا؟ میرا ضمیر کبھی معاف کر سکتا تھا مجھے کہ جانتے بوجھتے ہوئے میں نے ایک ایسی لڑکی کو بچانے کی کوشش نہیں کی جسے عزت مل سکتی ہے۔ معاشرے میں اونچا مقام مل سکتا ہے۔ کیا دنیا کی باتوں کے ڈر سے میں اسے وہاں چھوڑ آتا؟ میری بات سمجھنے کی کوئی بھی کوشش نہیں کر رہا۔''

''سارا قصور میرا ہے۔'' شعیب نے افسوس سے ہاتھ ملے۔ ''ہم نہ وہاں جاتے، نہ ایسا ہوتا۔''

''تم کیوں گلٹی فیل کر رہے ہو؟'' کامران نے اسے سمجھایا۔

''میں نے ایسا نہیں چاہا تھا کہ زین کا بنتا ہوا گھر اجڑ جائے۔ پتا نہیں کیوں ہو گیا ایسے۔ میں اس کے لیے خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

''یار کیا ہو گیا ہے تجھے، وہ سب تو ایک مذاق تھا۔'' کامران نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہاں جا کر تو میں بھی پاگل ہو گیا تھا۔ تھیں ہی وہ پاگل کر دینے والی چیزیں، لیکن کسی کو دُم بنا کر نہیں لایا میں۔ یہ زین کا ذاتی فعل ہے۔ اس میں تمہارا کیا قصور؟''

''تم کچھ بھی کہو کیسی بھی دلیل لا دو لیکن اس سے حقیقت تو نہیں بدلے گی۔ میں نے زین کو چیلنج کیا تھا۔ وہ نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے اس راہ پر لگایا تھا۔''

''چپ کر یار۔'' زین مزید جھنجھلا گیا۔ ''میں تیری یہ بکواس سننے کے لیے یہاں نہیں آیا تھا اور موضوع ختم ہو گئے ہیں کیا؟ اس وقت سے ایک ہی بات سن رہا ہوں۔ گھر میں، باہر، لگتا ہے کسی کو اور کوئی کام ہی نہیں ہے سوائے اس بات پر لعن طعن اور بحث مباحثہ کرنے کے۔'' وہ وہاں سے بھی نکل آیا۔

نگار بہت خوش تھی۔ آخر قدرت کو اس پر رحم آ ہی گیا تھا۔ وہ یہ خوشی کی خبر سب کو سنانا چاہتی تھی۔ اماں کو، کاجل کو، پائل اور زرقا کو، اپنے کمرے کی دیواروں کو، حتیٰ کہ میز، کرسی اور

مسہری کو بھی وہ اپنی اس خوشی میں شریک کرنا چاہتی تھی لیکن اس نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔ اماں اور بہنوں نے صبح کے وقت جب اسے خود سے بیٹھک میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ سب ہی حیران رہ گئیں۔ کاجل اور پائل اسی وقت سو کر اٹھی تھیں۔ زرقا ہارمونیم پر ریاض کر رہی تھی۔

''آؤ آؤ میری چندا۔'' اماں نے اسے تخت پر بٹھایا۔

''اماں بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو مل جائے گا؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' کاجل کچن کی جانب لپکی۔ نگار کی بھوک اس دن کے بعد سے بالکل ہی اُڑ چکی تھی۔ کتنے دن بعد اس نے ایسی کوئی فرمائش کی تھی۔ کاجل جلدی جلدی اس کے لیے ناشتا تیار کرنے لگی۔ اسے ڈر تھا کہ وہ کہیں اپنا ارادہ بدل ہی نہ دے۔

''آج میری گڑیا بہت خوش دِکھتی ہے۔'' زمرد بائی نے پیار سے اس کی جانب دیکھا۔

وہ ہنس پڑی۔

''جی اماں، میں ہوں بہت خوش۔''

''شکر ہے تمہارے ہونٹوں پر ہنسی تو دیکھی میں نے۔'' پائل نے اس کے قریب آ کر پیار سے اس کے بال بکھیر دیئے۔ ''اب بالکل پہلے والی نگار بن جاؤ ویسی ہی پیاری سی ہنسنے والی۔''

نگار پھر ہنس پڑی اور زمرد بائی کی گود میں سر رکھ کر وہیں تخت پر لیٹ گئی۔

''اماں جب ہم خوش ہوتے ہیں تو لگتا ہے ہر چیز خوش ہے۔ ہماری خوشی میں شریک ہے۔ فضول فضول باتوں پر بھی ہم خوش ہوتے ہیں۔ ہنستے ہیں۔'' وہ بولی۔ ''اور جب ہم اداس ہوتے ہیں تو کتنے تنہا رہ جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر چیز اداسی کی دھند میں لپٹی ہو جیسے کوئی ہمارا اپنا نہ ہو۔''

''چاہے تم اداس ہو گڑیا، چاہے خوش۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔'' زرقا ہارمونیم چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئی۔

''میں یہ بات اب یاد رکھوں گی۔'' نگار پھر ہنس دی۔

''لو یہ ناشتا۔'' کاجل نے اس کے سامنے ٹرے رکھی۔

''واہ واہ، پراٹھا، انڈہ اور چائے۔ دل خوش کر دیا۔'' وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔

''کاجل تمہیں کوئی کام تو نہیں ہے۔'' ناشتے کے بعد نگار نے پوچھا۔

''تم بتاؤ، تمہیں کیا کام ہے؟''

''ذرا میرے کمرے میں تو آنا۔''

''چلو۔''

وہ دونوں کمرے میں چلی آئیں تو نگار نے دروازہ بند کر دیا۔

''کاجل تم تو جانتی ہو کہ میں یہ زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔''

''چندا۔'' کاجل نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''کیا حرج ہے اس میں آزادی اور سکون سے رہ رہے ہیں۔ نہ شوہر کی ڈانٹ، نہ ساس کی پھٹکار اور نہ بچوں کی چیخ چیخ۔ اپنا کما رہے ہیں اور عیش کر رہے ہیں۔''

''کاجل کاش میں تمہیں اپنا نقطۂ نظر سمجھا سکتی لیکن شاید تم تب بھی نہیں سمجھو گی۔ تم اس ماحول میں رچ بس گئی ہو لیکن میں تمہارے علاوہ کسی سے کہہ بھی تو نہیں سکتی۔'' نگار بولی۔ ''یہ بتاؤ تم میری مدد کرو گی؟''

''کیسی مدد؟''

''پہلے تم بتاؤ، تم مدد کرو گی؟''

''تم بتاؤ تو تمہیں مجھ سے کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے اگر تمہیں کنویں میں ڈبکی لگانے کے لیے میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں کیسے ہاں کہہ سکتی ہوں۔''

''اچھا پھر چھوڑو۔'' نگار کا سب جوش و خروش یکا یک ختم ہو گیا۔ ''میں خود ہی کچھ کر لوں گی۔''

اسے یوں ایک دم بجھتے دیکھ کر کاجل نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ ''ہاں کروں گی

تمہاری مدد۔ اب بولو۔''

''میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔''

''کس طرح نکلو گی یہاں سے۔'' کاجل نے اسے پھر سمجھانا چاہا۔ ''کتنی مرتبہ تمہیں بتا چکی ہوں کہ اول تو کوئی یہاں سے جا ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی صورت نکل بھی آئے تو وہ زیادہ دیرپا نہیں ہوتی۔''

''کاجل تم میری بات سنو تو۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''فرض کرو اگر کوئی دل سے مجھے یہاں سے لے جانا چاہتا ہو تو؟''

''کون ہے وہ؟'' کاجل نے بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

نگار سوچ میں پڑ گئی پھر دھیرے دھیرے اس نے اسے تمام واقعہ سچ سچ بتا دیا۔

''ہوں۔ تو تم خودکشی کی حماقت بھی کر گزرنے والی تھیں اگر وہ لڑکا زین بروقت نہ پہنچ جاتا۔'' کاجل بولی۔ ''یہ وہی لڑکا ہے ناں، اسمارٹ سا، لمبا سا ہے۔ غالباً سیاہ پتلون اور سویٹر پہنا ہوا تھا اس نے، شاید جیکٹ بھی تھی۔ وہی اس دن اٹھ کر صحن کی طرف نکلا تھا۔''

''جی وہی ہے۔''

کاجل کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ ''لیکن یہ مسئلہ اس قدر سیدھا نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ وہ بھی اسی معاشرے کا فرد ہے جہاں ہمارے لیے کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک لمحے کو مان بھی لیا کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے لیکن سوچو، وہ سب سے کٹ کر اور علیحدہ تو زندگی بسر نہیں کر رہا ہوگا، اس کے ماں باپ ہوں گے۔ بہن بھائی ہوں گے۔ دوست احباب، رشتہ دار ہوں گے۔ نہیں نگار ان میں سے کوئی بھی تمہیں وہاں جینے نہیں دے گا۔''

''کاجل میں سب کا مقابلہ کروں گی۔ تمہیں معلوم نہیں ہے وہ بہت اچھا ہے۔ مجھے سب سے بچا سکتا ہے۔ میں تو لمحوں میں اس کی اسیر ہو گئی تھی۔ پتا نہیں ایسا کیوں ہے۔ یہ

کیا ہے۔شاید اسی کو محبت کہتے ہوں مجھے نہیں پتا میں نے کبھی کی نہیں ناں لیکن یقین رکھو کاجل، وہ مجھے اپنی دنیا کی بھول بھلیوں میں کھونے نہیں دے گا۔اس نے وعدہ کیا ہے مجھ سے۔'' نگار نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''اور پھر اس زندگی پر میرا اتنا حق تو ہے ناں کہ میں اسے عزت سے گزار سکوں۔''

''پتا نہیں تمہیں یہ عزت اور بے عزتی کا بخار کیوں لاحق ہو گیا۔'' کاجل نے تنگ آ کر کہا۔''تم نے تو اپنا حق جتاتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ تمہارے بعد ہم سب کا کیا بنے گا۔آج تک ہم نے تم سے کچھ بھی طلب نہیں کیا۔البتہ تم نے جس چیز کی خواہش کی، کوئی فرمائش کی، اسے دوڑ دوڑ کر بھاگ بھاگ کر پورا کیا۔اب جب ہمارا عروج ختم ہو رہا ہے جب ہمیں تمہاری ضرورت ہے تو تم ہمیں چھوڑ کر جانا چاہتی ہو۔''

''تو یہ کہو ناں کہ تمہیں میری نہیں اپنی ضروریات کی فکر ہے۔'' نگار تلخ ہو گئی۔''اس بات کی فکر ہے کہ تمہارا کیا بنے گا۔''

''یہ بہت بڑی حقیقت ہے میں انکار نہیں کروں گی اس سے۔'' کاجل بولی۔''تم بتاؤ کون سا رشتہ ضروریات کے تابع نہیں ہوتا؟ ہم تو ویسے ہی بدنام ہیں۔اس معاشرے کی طرف دیکھو، جہاں جا کر عزت حاصل کرنے کی تم خواہش مند ہو۔والدین اور اولاد سے بڑھ کر کون سا رشتہ ہو گا۔لوگ اولاد کی خواہش کیوں کرتے ہیں؟ کیوں مانگتے ہیں بیٹا؟ اس لیے کہ وہ آخری عمر میں ان کے آرام و آسائش کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔دوسری طرف جب تک بیٹے کی ضروریات والدین سے وابستہ رہتی ہیں، وہ ان کے ساتھ رہتا ہے۔ان سے محبت بھی کرتا ہے۔جب اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو وہ بیوی بچوں سمیت ماں باپ کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔کون سا رشتہ ضروریات کا تابع نہیں ہوتا؟ جب تمہیں ہماری ضرورت تھی تو کیا تم نے یہ سب باتیں سوچی تھیں؟ تم نے یہ سوچا تھا کہ ہمارا رشتہ بھی ضروریات کا تابع ہے؟ اور نگار اس وقت تم جو رشتہ زین سے استوار کرنے جا رہی ہو کیا یہ تمہاری ضروریات کے تابع نہیں ہے؟''

''میں اس لیے تم سے الگ نہیں ہو رہی ہوں کہ مجھے تم لوگوں کی ضرورت نہیں رہی۔'' نگار نے دفاعی انداز اختیار کیا۔''میں تو اس لیے الگ ہو رہی ہوں کہ اس سے بڑھ کر ہتک اور بے عزتی کوئی نہیں ہے۔''

''تم اچھی طرح سوچ لو نگار۔'' کاجل اٹھ کھڑی ہوئی۔''تم سے بہت سے لوگوں کا مستقبل وابستہ ہے۔ان لوگوں کا مستقبل جن سے تمہارا ماضی وابستہ رہا ہے۔پھر بھی تمہارا فیصلہ برقرار رہا تو میں تمہیں منع نہیں کروں گی۔تم نے مجھ سے مدد مانگی ہے۔جس حد تک میرے بس میں ہوا، میں تمہاری مدد کروں گی کیونکہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔مجھے پیار ہے تم سے۔آج سے نہیں اس وقت سے جب میری ضروریات تم سے وابستہ نہیں تھیں۔''

نگار چپ چاپ کاجل کو کمرے سے باہر جاتا دیکھتی رہی۔

رات کو بیٹھک میں ہر روز کی طرح موتیے کی خوشبو پھیل گئی۔طبلے اور سارنگی کے سُر بکھر گئے اور گھنگھروؤں کی جھنکار در و دیوار میں رچنے لگی۔نگار اپنے کمرے میں بیٹھی کاجل سے ہونے والی گفتگو کے متعلق سوچ رہی تھی کہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جائیے۔'' وہ بولی۔

کاجل اور اس کے پیچھے زین کمرے میں داخل ہوئے۔نگار کھل اٹھی۔ایک لمحے میں اسے کاجل کی تمام باتیں بھول گئی تھیں۔

''آؤ۔'' وہ اچھل کر بستر سے نکلی۔''مجھے پتا نہیں تھا کہ تم نے آنا ہے۔'' اس نے جلدی سے اپنے لمبے بالوں کا ڈھیلا ڈھالا سا جوڑا بنایا۔''پلیز بیٹھو ناں۔''

''شکریہ۔'' زین کرسی پر بیٹھ گیا۔

کاجل نگار کی آنکھوں سے پھوٹتی مسرت کی کرنیں دیکھ رہی تھی۔اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''زین صاحب۔'' وہ میز سے ٹیک لگائے اس سے مخاطب ہوئی۔''نگار ہے تو میری

چھوٹی بہن لیکن مجھے اس سے ویسی ہی محبت ہے جیسی کسی ماں کو اپنی اولاد سے ہوسکتی ہے۔ یہ آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ اسے کوئی نہ روکے۔''

''میں آپ کا شکرگزار رہوں گا۔'' زین بولا۔

''اس میں شکرگزاری کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں وہ نگار کے لیے، اس کی خوشی کے لیے کر رہی ہوں اور میری خواہش ہے کہ یہ جہاں رہے خوش رہے۔'' کاجل بولی۔

''میں یہ بھی آپ کو بتادوں کہ یہ آج تک کسی محفل میں شریک نہیں ہوئی اور آپ کے معاشرے کی بہت سی نام نہاد شریف زادیوں سے کہیں زیادہ شریف ہے لیکن شاید آپ تو یہ بات مان لیں لیکن آپ سے وابستہ افراد یہ بات ماننے سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ نگار کو اس کا جائز مقام دینے پر تیار ہو جائیں۔ پھر کہیں آپ چیلنج سے دستبردار تو نہیں ہو جائیں گے؟ مجھے آپ کے خلوص پر شک نہیں ہے لیکن ہوسکتا ہے آپ معاشرتی دباؤ نہ سہار سکیں۔ ایسی صورت میں نگار کا کیا بنے گا؟''

''میں نے یہ سب باتیں سوچ لی ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ بات میرے لیے ایک چیلنج بن گئی ہے اور یہ بھی غلط نہیں کہ مجھ پر معاشرتی دباؤ بھی ڈالا جا رہا ہے۔ نگار کو اپنا مقام بنانے کے لیے تگ و دو تو کرنی پڑے گی، ہر عورت کو کرنی پڑتی ہے خواہ اس کا تعلق کہیں سے بھی ہو لیکن اس بات کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسے صرف اس کے بیک گراؤنڈ کی وجہ سے رد نہیں کیا جائے گا۔ تھوڑی سی محنت، تھوڑی سی کوشش اور تھوڑی سی قربانی دے کر یہ اپنا جائز مقام ضرور حاصل کر لے گی اور میں جانتا ہوں کہ اس میں اس کی صلاحیت ہے۔ یہ محنت بھی کرے گی، کوشش بھی اور قربانی بھی دے گی۔''

''آپ نے اپنے والدین کو بتایا ہے؟''

''میرے والد وفات پا چکے ہیں۔ والدہ حیات ہیں۔ میں ان سے بات کر چکا ہوں۔ انہیں میرے فیصلے سے صدمہ ہوا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ نگار اپنی خوبیوں

سے ان کا دل نہیں جیت سکتی۔ وہ کھلے دل اور کھلے ذہن کی خاتون ہیں جلد ہی مان جائیں گی۔''

''اور شادی کب تک کرنے کا ارادہ ہے؟ اب جب آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو بہتر ہے، اس میں دیر نہ ہو۔''

''میں کوئی کورٹ میرج نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ نگار کو ویسے ہی رخصت کرا کے لے کر جاؤں جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اس میں مجھے کچھ وقت لگے گا لیکن اتنا زیادہ نہیں۔ میں خود بھی اس معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔ جتنا جلد ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔''

کاجل نگار کی طرف مڑی جو چپ چاپ سر جھکائے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''نگار خوب اچھی طرح سوچ لو، تمہارے پاس زین صاحب کی زبان کے علاوہ اور کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ دونوں طرف کے حالات بھی تمہارے سامنے ہیں۔ اگر تم ہمت کر سکتی ہو تو آگے بڑھو۔ اگر نہیں کر سکتیں تو ابھی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔ بعد میں شاید تم واپسی کا راستہ تلاش نہ کر سکو۔''

''میں فیصلہ کر چکی ہوں کاجل۔ اب میں کسی صورت پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ زین کا کیا ہوا وعدہ ہی میرے لیے سب سے بڑی گارنٹی ہے۔''

''اب جب تم یہ فیصلہ کر چکی ہو تو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔'' کاجل کمرے سے نکل گئی۔

☆======☆======☆

''سنو آج سب کو اطلاع کر دینا کہ منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ گھر میں کوئی فنکشن نہیں ہے۔'' امی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اور کراچی میں سمیعہ اور ظفر کو بھی فون کر دینا۔''

مُنو نے سوالیہ نگاہوں سے تمکین کی طرف دیکھا۔

''امی میرا خیال ہے کہ ابھی ایسا نہ کریں۔'' تمکین نے کہا۔

''پھر کب اطلاع کریں گے۔'' امی اس کی بات سے چڑ گئیں۔ ''جب سب رشتے

دار اور دوست احباب آنا شروع ہو جائیں گے۔"

"امی آپ مجھ پر بھروسا کریں۔"

"تم پر تو اپنی ذات سے بڑھ کر بھروسا ہے۔" امی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"تو امی۔ مجھے آپ سے کچھ اجازت لینی ہے۔"

"کاہے کی اجازت؟"

"میں چاہتی ہوں کہ اپنا مقدمہ میں خود لڑوں۔ کیسے اتنی آسانی سے اپنے حق سے دستبردار ہو سکتی ہوں میں؟ امی پلیز ہم میں سے کسی نے ان سے بات نہیں کی۔ میں چاہتی ہوں کہ ان سے بات کروں۔ میں انہیں اس بندھن میں بندھنے کی اجازت نہیں دے سکتی جس پر میرا حق ہے۔ وہ میرا مقام میری جگہ ایک طوائف کو کیسے دے سکتے ہیں۔"

دفع کرو تمکین۔ تمہارے لیے رشتوں کی کمی تو نہیں ہے، ہم نے اپنا حساب اوپر والے پر چھوڑ دیا ہے۔"

"امی، بجو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ انکار تو ہو ہی چکا ہے۔ پھر بات کر لینے میں کیا حرج ہے؟" مُنو نے دبے دبے انداز میں تمکین کی تائید کی۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا ہمارے گھرانے میں۔" امی متذبذب تھیں۔

"وہ تو ایسا بھی کبھی نہیں ہوا جیسا میرے ساتھ ہوا ہے۔" تمکین بولی۔ "امی، میں کھلونا نہیں ہوں کہ جس کا دل آیا کھیل لیا جس کا دل چاہا پھینک دیا۔ میں جیتی جاگتی لڑکی ہوں۔ کیوں سب سمجھتے ہیں کہ ہم لڑکیاں بے حس ہوتی ہیں۔ جس کا جو دل چاہے ہم سے سلوک کرے اور پھر ہم سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ ہم اُف تک نہ کریں یا اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر صبر شکر کر لیں۔ میرے بھی کچھ احساسات ہیں۔ آپ لوگوں نے میرا رشتہ طے کیا میں نے چپ چاپ سر جھکا دیا لیکن زین کے رشتہ توڑنے پر میں یوں سر جھکا کر اس فیصلے کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ امی میں اپنے گھرانے کی روایات کی زنجیریں نہیں توڑنا چاہتی تھی لیکن۔" وہ بولتے بولتے ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ "آپ خود فیصلہ کر لیں۔ مجھے بچانا

چاہتی ہیں یا اپنے گھرانے کی روایات کو؟"

"روایات تو ٹوٹتی بنتی رہتی ہیں لیکن انسان اندر سے ٹوٹ جائیں تو کبھی نہیں جڑتے۔" ابو نہ جانے کب وہاں چلے آئے تھے۔ "انسان روبوٹ نہیں ہوتے، نہ ہی انہیں ریموٹ کنٹرول سے اپنی مرضی کے تابع کیا جا سکتا ہے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر تمکین کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "مجھے اچھا لگا کہ آج میری بیٹی نے اپنی تعلیم کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہمیں آپ کی خوشیاں پیاری ہیں۔ ان روایات کا کیا فائدہ جو ہم سب کو ایک دوسرے سے دور کر دیں جو انسان اور تہذیب کو آگے بڑھانے کے بجائے ایک مخصوص وقت میں قید کر دیں۔ تمکین ہمیں اپنی روایتوں سے زیادہ آپ کے ہونٹوں پر آنے والی ہنسی عزیز ہے۔ اگر اس طرح آپ کے ہونٹوں پر ہنسی آ سکتی ہے تو روایت کے ان بندھنوں کو کاٹ دیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔"

☆======☆======☆

تھوڑی دیر قبل تمکین کا فون آیا تھا۔ وہ زین سے ملنا چاہتی تھی۔ زین کی امی نے کہلوا دیا تھا کہ وہ گھر پر ہی ہے۔

"شاید تمکین کو دیکھ کر، اس سے مل کر زین اپنا ارادہ بدل دے۔" انہوں نے کہا۔

اب تک گھر کی ہر دیوار پر تمکین کی ہنستی مسکراتی تصویریں آویزاں تھیں۔ ندا نے انہیں اتارنے سے امی کو منع کر دیا تھا۔ وہ تمام تر نفسیاتی حربے استعمال کرنا چاہتی تھی۔ تمکین کی زین سے ملاقات سے اس نے بہت سی توقعات وابستہ کی تھیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تمکین جیسی شرمیلی لڑکی یہ قدم اٹھا سکتی ہے۔ بہر حال اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس ملاقات سے بھی مطلوبہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو پھر وہ، وہ سب کچھ کر گزرے گی جس سے زین کے راہِ راست پر آنے کی توقع کی جا سکتی ہو۔

ہارن کی آواز سن کر ندا نے پردہ اٹھا کر باہر جھانکا۔ گیٹ پر تمکین کی کار کھڑی تھی جسے مُنو ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ بھاگ کر باہر نکلی۔ اسے دیکھ کر تمکین کار سے اتر آئی۔

"تمکین۔" ندا کی آنکھوں میں پانی اُتر آیا۔ "آئی ایم سوری تمکین۔ میں اور امی پوری کوشش کر چکے ہیں لیکن۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کوئی بات نہیں یار This is not the end of life ok پھر تمکین مُنو کی جانب مڑی۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

"یہیں کار میں؟"

"ہاں۔" وہ ندا کے ساتھ اندر چلی آئی۔

"تمکین! یہ سب کچھ تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔" ندا اس کے کندھے سے الگ ہو کر رو پڑی۔ "شرمندگی کے مارے ہم نے کسی کو بتایا بھی نہیں کچھ۔ اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں شادی میں۔ چند دنوں میں سب رشتے دار پہنچ جائیں گے بہنیں آ جائیں گی، تب کیا ہوگا؟"

"کیا ہونا ہے؟" تمکین ہولے سے ہنسی۔ "شادی ہوگی میری بھی تمہاری بھی۔"

ندا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔" تمکین بولی۔ "میں بہت ڈرپوک، بہت بزدل سمجھتی تھی خود کو۔ میں نے اپنی ذات کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی جو میرے خاندان کی روایات نے میرے لیے بنایا تھا لیکن شاید میں اندر سے اس قدر ڈرپوک اور بزدل نہیں ہوں یا پھر یہ سب مُنو کے ان لیکچروں کا اثر ہے جو وہ وقتاً فوقتاً مجھے دیتا رہا ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ میں سب کے سامنے عزت سے سر اٹھا کر چلنے والے اپنے باپ کا سر جھکا نہیں دیکھ سکتی۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو، آج میں وہ خول توڑ کر اپنا حق لینے آئی ہوں اپنے باپ کی عزت لینے آئی ہوں جو زین کے ہاتھ سے تار تار ہونے والی ہے۔ میں اتنی آسانی سے اپنا حق اس طوائف کے حوالے نہیں کر سکتی۔"

ندا اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔ اسے تمکین جیسی لڑکی سے اتنی جرأت کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"آنٹی کہاں ہیں؟" تمکین نے پوچھا۔

"امی کچن میں ہیں۔" ندا نے بتایا۔ "سچ تو یہ ہے کہ وہ تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتیں۔ اس لیے انہوں نے خود کو ان کاموں میں الجھایا ہوا ہے۔"

"یار حد ہوگئی ہے۔ بھلا ان کا کیا قصور اس سارے قصے میں؟" وہ بولی۔ "کچن کہاں ہے؟"

ندا اسے کچن میں لے گئی۔

"آنٹی۔" تمکین نے دروازے سے اندر جھانکا۔ "آپ یہ کیا کر رہی ہیں۔ چھوڑیں۔ کھانا پکتا رہے گا۔" وہ اندر چلی آئی۔

"تمکین" زین کی امی نے بہت مشکلوں سے آنسو ضبط کیے۔ "بیٹا، میں نے پوری کوشش کر لی لیکن میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ پتا نہیں مجھ سے زین کی پرورش میں کہاں کوتاہی ہوئی۔"

"آنٹی! آپ کیوں شرمندہ ہوتی ہیں۔ میں کسی کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتی۔ اور پھر آپ کا درجہ تو بہت بلند ہے میرے نزدیک۔"

"خدا ایسی بیٹیاں سب کو دے۔" زین کی امی نے اسے گلے لگا لیا۔

"تمکین! تم نے سمیعہ آپا اور ظفر بھائی کو اطلاع دی؟"

"نہیں، میں یہ کیسے کر سکتی تھی۔ میں نے امی کو منع کر دیا ہے کسی کو کچھ بتانے سے۔ میں نے اسماء کو بھی کچھ نہیں بتایا حالانکہ اس کا ہر دوسرے روز فون آتا ہے پنڈی سے۔" تمکین بولی۔ "مجھے اپنی ہی نہیں تمہاری بھی فکر ہے۔ پتا نہیں وہ اس خبر کو کیسے لیں۔ کیا کر دیں۔ میں خود کو تو کنٹرول کر سکتی ہوں لیکن اور پر تو میرا بس نہیں چل سکتا۔"

"میری تو راتوں کی نیندیں اور دن کا چین اُڑا ہوا ہے کہ نہ جانے کب کراچی سے رشتہ ٹوٹنے کی اطلاع آ جائے۔" امی افسردگی سے بولیں۔

"اب دعا کریں امی کہ زین بھائی کو عقل آ جائے ورنہ انہیں بتانا تو پڑے گا۔"

''میں یہ دعا نہیں کروں گی تو کون کرے گا۔'' امی بولیں۔

''چلو تمکین، بھائی اپنے کمرے میں ہیں۔'' وہ اسے زین کے کمرے کے دروازے پر چھوڑ گئی۔

ندا کے جانے کے بعد تمکین نے دروازے پر دستک دی۔

''یس۔'' اندر سے بیزار سی آواز آئی۔

تمکین نے آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

''آسکتی ہوں اندر؟''

جوتوں سمیت صوفے پر لیٹا سگریٹ پیتا ہوا زین تمکین کی آواز سن کر چونک اٹھا۔

''تمکین۔تم؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اندر آسکتی ہوں؟'' اس نے دہرایا۔

''آؤ۔'' زین نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔ وہ بے حد حیران تھا۔ اسے قطعاً یہ توقع نہیں تھی کہ تمکین وہاں آسکتی ہے۔ اس وقت وہ اس سے ملنے کے لیے ذہنی طور پر تیار بھی نہیں تھا لیکن اسے دروازے سے لوٹانا بھی ممکن نہیں تھا۔

''اچھا ہے، بات کلیئر ہو جائے گی۔ شاید جو بات اب تک کوئی اور نہیں سمجھ سکا وہ تمکین سمجھ جائے۔'' اس نے سوچا۔

لیکن دوسری طرف وہ خود کو تمکین کی طرف سے ہر قسم کے ردِعمل کے لیے بھی تیار کر رہا تھا۔

''ہوسکتا ہے اس پر الٹا اثر ہو میری بات کا۔ جذبات میں آ کر نہ جانے کیا کر بیٹھے۔''

لیکن اب پنڈورا کا پٹارہ کھل چکا تھا۔ حالات خواہ کیسے بھی ہوں اسے ان کا سامان کرنا تھا۔

تمکین دروازہ بند کر کے کمرے کے اندر چلی آئی۔

''بیٹھو۔'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ساتھ ہی وہ تمکین کے چہرے کا بغور

جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا ممکنہ ردعمل جاننے کے لیے۔ اسے تمکین کا پہلا ردِعمل یاد تھا۔ فون کے دوسری جانب ہوتے ہوئے بھی وہ تمکین کے اس جذباتی صدمے سے بے خبر نہیں تھا۔ اس نے کیسے یہ خبر اسے سنائی تھی۔ یہ وہی جانتا تھا۔ تمکین اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ وہ اسے دکھ میں نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کی محبت پر انسانی ہمدردی کے جذبات حاوی ہو گئے تھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تمکین کو یہ دکھ دینا پڑا تھا۔

''صرف میں ہی بیٹھوں گی۔ آپ نہیں بیٹھیں گے کیا؟''

''مہمان نوازی کا تقاضا ہے کہ پہلے تم بیٹھو۔'' وہ بھی پلنگ کے ایک کونے پر ٹک گیا۔

''کیسی مہمان نوازی میں تو اس گھر میں مہمان نہیں ہوں۔'' تمکین نے خوش دلی سے کہا۔

''اس بات کا فیصلہ تو میزبان نے کرنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں مہمانوں کی کیٹگری میں رکھے گی۔'' وہ ذرا دیر کے لیے بھی اسے خوش فہمی میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

''میزبان دکھائی تو نہیں دے رہیں۔'' اس نے اردگرد دیکھا۔

''چند دن میں آنے والی ہے۔''

''میزبان کا نام جان سکتی ہوں؟''

''نگار۔''

''تو پھر ان دیواروں پر میری تصویریں کس لیے؟''

''امی نے انہیں اتارنے سے منع کیا ہے۔ لیکن بہرحال ایک آدھ دن میں اتارنا ہی ہوں گی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے انہیں رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے، ابھی یہ محض امی کی ضد ہے۔''

تمکین آہستہ سے ہنس پڑی۔ ''تو آپ کو امی کا خیال ہے۔''

''اس بات کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟''

''میں۔'' اس نے زین کے چہرے پر نظریں جمائیں۔ ''میں آپ سے اپنا حق لینے آئی ہوں۔ میں اپنے ابو کا جھکا ہوا سر اور تار تار ہوتی عزت نہیں دیکھ سکتی۔''

''تمکین! میں نے سب کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی اسے سمجھنے پر تیار نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن مجھے امید ہے کہ تم اسے سمجھ لوگی۔ میں کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کا قائل نہیں ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم مطمئن ہو جاؤ۔ تمہاری زندگی پر اس بات سے کوئی منفی اثر نہ پڑے۔''

اس نے ایک لمحے کے لیے تمکین کے چہرے کا جائزہ لیا جو بالکل پُرسکون بیٹھی تھی۔

''نگار بہت دکھی لڑکی ہے بہت سادہ اور بہت پُرخلوص۔ وہ عزت کی زندگی گزارنا چاہتی ہے لیکن اس کے لیے سب راہیں بند ہیں۔ سوائے اس ایک راہ کے کہ اسے کوئی عزت دار شخص اپنائے۔ اس عزت کے حصول کی خاطر ایک دن وہ اپنی جان تک دے رہی تھی لیکن قدرت نے مجھے وہاں بھیج دیا۔ تمکین، اسے عزت کی زندگی نہ ملی تو وہ موت کو گلے لگا لے گی اور اب جب کہ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں اور وہ اپنی سب کشتیاں جلا چکی ہے تو ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ ایک بے قصور لڑکی صرف اس لیے موت کے منہ میں جانا چاہتی تھی کہ اس معاشرے میں اس کے پاس عزت کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے، لیکن سوچو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟''

''آپ کا جذبہ ہمدردی قابلِ قدر ہے۔ مجھے اچھا لگا کہ آپ دوسروں کے غم کو محسوس کرتے ہیں۔ کیا آپ میرے غم کو بھی محسوس کر سکتے ہیں؟ اس دکھ کو محسوس کر سکتے ہیں جو آپ نے مجھے دیا ہے؟ یا اپنے دکھ اور غم سمیت آپ کے دل میں جگہ بنانے کے لیے مجھے بھی خودکشی کی ایک کوشش کرنی پڑے گی؟'' تمکین آہستگی سے بولی۔ ''زین اگر وہ بے قصور ہے تو قصوروار میں بھی تو نہیں ہوں۔ پھر مجھے کیوں سزا مل رہی ہے؟''

''تمہیں اور بہت سے اچھے لوگ مل سکتے ہیں۔ تم اتنی اچھی ہو تمہیں رشتوں کی کمی نہیں ہوگی لیکن نگار کو کوئی نہیں ملے گا۔''

''آپ کو یاد ہے آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ بالکل میرے جیسی لڑکی کو جیون ساتھی بنانا چاہتے ہیں جس نے آپ کے علاوہ کسی کو اپنے تصور میں بھی جگہ نہ دی ہو۔'' تمکین بولی۔ ''اور اب جب میں نے آپ کو اپنے تصورات میں جگہ دے دی۔ آپ کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا تو آپ چاہتے ہیں کہ میں کسی اور کا ہاتھ تھام لوں اور جو خیانت میں نے آپ کے ساتھ نہیں کی وہ کسی اور کے ساتھ کر دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے تصورات اور خوابوں پر آپ کا قبضہ ہو اور میں اپنا جسم کسی اور کے حوالے کر دوں میں یہ خیانت کیسے کر سکتی ہوں؟''

''تمکین! سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ سب جذباتی باتیں ہیں تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔'' زین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''نگار کی ذہنی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ کوئی اور صدمہ برداشت کر سکے۔ میں نے اس سے Commitment کی ہے۔ اب میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔''

''Commitment تو آپ نے مجھ سے بھی کی ہے اس سے تو شاید بند کمرے میں کی ہو۔ مجھ سے سو (100) لوگوں کی موجودگی میں کی ہے۔ Word of Honour دیا ہے مجھے۔ دیکھ رہے ہیں یہ انگوٹھی، یہ میں نے اب تک انگلی سے نہیں اتاری۔ اس لیے نہیں کہ اس میں سات چمکتے دمکتے ہیرے لگے ہوئے ہیں جن کی مارکیٹ میں قیمت ہزاروں روپے ہے بلکہ اس لیے کہ یہ محض انگوٹھی نہیں آپ کا قول ہے۔ آپ کا وعدہ ہے جو آپ نے اتنے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں مجھ سے کیا تھا اور وعدے انمول ہوتے ہیں۔ ان کی قیمت سکہ رائج الوقت کے ترازو میں نہیں تولی جا سکتی۔'' تمکین نے کہا۔ ''اور پھر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ شادی سے صرف بیس دن قبل انکار کر کے آپ مجھے کوئی صدمہ نہیں پہنچا رہے۔ ہو سکتا ہے میری ذہنی حالت نگار کی ذہنی حالت سے بھی بری ہو لیکن میں اپنی تکلیفوں اور دکھوں کا اشتہار نہیں لگانا چاہتی۔ مجھے کسی کے رحم اور

ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اپنے حق کی ضرورت ہے جس سے میں دستبردار نہیں ہوں گی۔''

''او کے۔ تم بتاؤ کہ تمہارے سامنے ایک شخص اپنی جان سے جا رہا ہو اور تم اسے بچا سکتی ہو لیکن اسے بچانے کے لیے تمہیں کچھ قربانی دینی پڑے تو تم کیا کرو گی؟ تمکین! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسے صرف ایک عزت دار زندگی کی خواہش ہے۔ ایک نام کی ضرورت ہے جو اس کی عزت کی ضمانت بن سکے۔''

''اور آپ اسے یہ عزت میرے باپ کی عزت داؤ پر لگا کر دلوانا چاہتے ہیں۔'' تمکین نے اس کی بات کاٹی۔ ''میرے باپ کی تار تار عزت سے چادر بنا کر اس کا سر ڈھانپنا چاہتے ہیں۔ کیوں کر رہے ہیں آپ اتنی خودغرضی؟ اس کے لیے تو لفظ عزت محض ایک کتابی لفظ ہوگا جسے پانے کے لیے وہ اس قدر بے چین ہے، لیکن میرے لیے عزت ایک کتابی لفظ نہیں ہے۔ اُس کی تو پچھلی سات پشتوں میں سے بھی شاید ہی کسی کو لفظ عزت کے مفہوم سے واقفیت رہی ہو، لیکن میرا خاندان تو وہ ہے جس کی وجہ سے آج یہ سب لوگ عزت دار کہلاتے ہیں۔ جس نے دنیا کو عزت کا صحیح مفہوم دیا ہے۔ اسے عزت دیتے ہوئے آپ یہ بھول رہے ہیں کہ ہمیں بھی اپنی عزت عزیز ہے۔ میں آپ کی یہ تاویل نہیں مان سکتی۔ کل کو آپ کسی اور عورت کو تکلیف میں مبتلا دیکھیں گے تو ایک بار پھر آپ کا جذبۂ ہمدردی بیدار ہو جائے گا۔ کتنوں کو اپنے گھر میں جگہ دیں گے آپ؟ کتنوں کو عزت کے حصول میں مدد دیں گے آپ؟''

''تمکین، مجھے افسوس ہے، کہ میں نے تمہیں دکھ دیا ہے لیکن یقین کرو میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ تمہاری سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں، مجھے کسی سے بھی انکار نہیں ہے لیکن یہ بھی تو سوچو کہ کسی کے عزت دار نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ عزت پر اس کا حق ہی نہیں ہے۔ نہ ہی عزت کسی کی اجارہ داری ہے۔ اپنے انتخاب سے کون پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو چانس کی بات ہے۔ تمہاری باتیں بھی بہرحال غلط نہیں ہیں۔ میرے پاس ایک پروپوزل ہے گو کہ میں نے یہ بھی کبھی نہیں سوچا تھا اور ایسا کرنا مجھے پسند بھی نہیں ہے، لیکن اس وقت بحالتِ مجبوری میں یہ تجویز پیش کر رہا ہوں۔'' زین بولا۔ ''میرے خیال میں اس تجویز سے نگار کو بھی اختلاف نہیں ہوگا۔''

''کیا تجویز ہے آپ کے پاس؟''

''میری سمجھ میں اس کا واحد حل یہی آیا ہے کہ میں تم سے اور نگار دونوں سے شادی کر لوں۔''

''اس تجویز سے نگار کو تو شاید انکار نہ ہو لیکن میں اسے کسی صورت قبول نہیں کر سکتی۔'' تمکین نے اٹل لہجے میں کہا۔

''یہ نہ تو قانوناً منع ہے اور نہ شرعاً۔''

''ہم اپنے فائدے کے لیے شریعت کو استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔'' تمکین بولی۔ ''میرے لیے یہ ہتک ہے۔ میں اگر آپ کی خواہش پوری نہ کر سکوں، آپ کے آرام و آسائش کو نظر انداز کروں، اگر مجھ میں کوئی خامی ہو تو آپ دوسری شادی کر لیں لیکن اس کے علاوہ دوسری شادی کی کوئی صورت نہیں، میں اپنی یہ ہتک یہ توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتی اور یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ مجھے پارٹ ٹائم شوہر نہیں چاہیے۔ میرا شوہر ہر وقت، ہر لمحہ، ہر موڑ پر صرف میرا شوہر ہونا چاہیے۔ مجھے ہر Alternate day پر شوہر کی ضرورت نہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔ میں پھر کہہ رہی ہوں کہ میں اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوں گی اور نہ ہی آپ کو اپنے باپ کی تار تار عزت سے نگار کا سر ڈھانپنے کے لیے چادر بنانے کی اجازت دوں گی۔ آپ سوچ لیں کہ آپ نگار سے کیسے انکار کریں گے۔''

وہ زین کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆======☆======☆

''ظفر بھائی! اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں نے بہت مجبوری کے عالم میں

آپ کو فون کیا ہے۔ آپ زین بھائی کو سمجھائیں اور اگر وہ نہیں مانتے تو آخری حربے کے طور پر اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ انہیں بھی پتا چلنا چاہیے کہ جو صدمہ انہوں نے تمکین کو پہنچایا ہے وہی ان کی بہن کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ انہیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ عزت دینا اتنا اہم نہیں جتنا عزت کو محفوظ رکھنا اہم ہے۔'' ندا کہہ رہی تھی۔ ''لیکن پلیز سمیعہ آپا کو نہ بتائیے گا پتا نہیں ان کا ردِ عمل کیا ہو خود ہی سارا معاملہ ہینڈل کیجیے گا اگر اس طرح بھی زین بھائی نہ مانے تو پھر آپ جیسا مرضی کریں۔''

''تم نے بہت اچھا کیا ندا جو مجھے سب کچھ بتا دیا۔ مجھے زین سے اس قسم کی بے وقوفی کی توقع بالکل نہیں تھی۔ شکر ہے ابھی سمیعہ کو اس بات کی خبر نہیں ہے۔ ساتھ ہی مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم میں اتنی جرأت ہے۔ بہت بہادر ہو تم۔''

''ظفر بھائی ہم لڑکیاں آپ مردوں پر انحصار کرتی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم میں جرأت نہیں ہے۔ ہم بہت جرأت مند ہوتی ہیں۔ صرف یہ Social Setup ہمیں بزدل بنا دیتا ہے چیونٹی کو پاؤں سے مسلے جانے کا خدشہ ہو تو وہ بھی کاٹنے سے نہیں چوکتی۔ ہم تو پھر انسان ہیں۔ ایسے کیسے ہتھیار ڈال سکتے ہیں۔''

''مجھے بہت خوشی ہے ندا، کہ ہمارا انتخاب غلط نہیں تھا۔ زندگی میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو مصائب کا مقابلہ کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنے گھر کو زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھ سکو گی۔''

''تھینک یو۔'' وہ ہنس پڑی۔

''تم نے مجھ سے بات کر لی ہے اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ مجھے تمکین اور تم دونوں ہی پیاری ہو اور میں تم دونوں میں سے کسی کا گھر برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ تم شادی کی تیاریاں جاری رکھو۔ ان شاء اللہ وقت مقررہ پر تم دونوں کی شادی ضرور ہوگی۔''

ندا ٹیلی فون رکھ کر مڑی تو اس کی نظر امی پر پڑی جو اڑی اڑی رنگت لیے اسے دیکھ

''امی، آپ تو سونے کے لیے کمرے میں گئی تھیں؟''

''یہ تم نے کیا کیا ندا، سب کچھ بتا دیا ظفر کو۔'' انہوں نے ندا کی بات نظر انداز کر دی۔ ان کی آواز میں اندیشے ہی اندیشے تھے۔

''امی، انہیں اس بات کا علم تو ہونا ہی تھا۔ پیشتر اس کے کہ انہیں کسی اور ذریعے سے علم ہوتا اچھا ہوا کہ میں نے بتا دیا نہ صرف بتا دیا بلکہ میں نے ان سے مدد بھی مانگی ہے۔ وہ اس وقت سب سے مضبوط پارٹی ہیں۔ میں نے اپنا اور تمکین دونوں کا گھر محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''میں بالآخر زین کو سمجھا ہی لیتی۔ ظفر کو تو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے تھی۔ یہ تم نے کیا ندا؟''

''امی۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے درست کیا ہے۔ حالات کا تقاضا یہی تھا۔'' ندا نے کہا۔ ''زین بھائی کو سمجھ آنی ہوتی تو اب تک آ چکی ہوتی۔ کم مغز ماری کی ہے ہم نے۔ آپ نے سمجھایا، میں نے سمجھایا، تمکین نے کوشش کی دوستوں نے ہر حربہ آزما لیا۔ کس کی بات سمجھی انہوں نے؟ وہ محض باتوں سے قائل نہیں ہوں گے۔ انہیں ویسے ہی ایک صدمے کی ضرورت ہے۔ جیسا انہوں نے تمکین اور اس کے گھر والوں کو پہنچایا ہے۔''

☆======☆======☆

''زین، میں تو حیران ہوں تمہاری اس حرکت پر۔'' ظفر بھائی فون پر اس سے کہہ رہے تھے۔ ''یار تم تو ایسے نہیں تھے۔ اول تو تم جیسے شریف انسان کو وہاں جانا ہی نہیں چاہیے تھا اور اگر چلے گئے تھے تو یہ دُم ساتھ لٹکانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ظفر اس گھر میں جینا حرام ہو چکا ہے۔ میں سب سے وضاحتیں کر کر کے سمجھا سمجھا کر، عاجز آ چکا ہوں۔ اب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہوں گا کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور اس میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔''

"یہ فیصلہ تم اس قدر آسانی سے نہیں کر سکتے۔ مجھے نہ تو تمہاری وضاحتیں سننی ہیں اور نہ میں تمہاری بات سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ تم اب تک کیا وضاحت کرتے رہے ہو اور سب کو کیا سمجھانے کی کوشش کرتے رہے ہو۔" ظفر بھائی کا لہجہ سخت تھا۔ "میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمکین مجھے بہت پیاری ہے۔ بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح ہے وہ میرے لیے۔ اگر تم نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسے کوئی دکھ دیا تو پھر تم بھی محفوظ نہیں رہو گے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"یہ کہ تمکین کی شادی اسی دن ہو گی۔ تم سے نہ ہوئی تو مجبوراً اظہر سے کرنی پڑے گی۔"

"تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔" زین غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ "یہ جانتے ہو شادی میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ صرف دس دن، میں تمہیں بتا رہا ہوں ظفر تمہیں یہ بلیک میلنگ بہت مہنگی پڑے گی۔"

"تم چاہو تو اسے بلیک میلنگ کا نام دے دو لیکن میں اسے عزت کی حفاظت کا نام دیتا ہوں۔ تم لوگوں سے ابھی ہمارا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا جسے توڑا نہ جا سکے لیکن سمیعہ میری بیوی ہے میرے بچوں کی ماں ہے۔ میں اسے یا اس کے گھر والوں کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم گھر سے باہر عزت بانٹتے پھر رہے ہو تو کیا مجھے گھر کے اندر اپنے خاندان کی عزت محفوظ رکھنے کا کوئی حق نہیں؟"

زین نے غصے سے ریسیور پٹخ دیا اور سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہوں۔" ندا ہنستے ہوئے کھڑکی سے دور ہٹ گئی۔ "اسے کہتے ہیں سیر کو ملے سوا سیر۔ ذرا آپ بھی مزہ چکھیں اب۔"

وہ امی کے پاس آ گئی۔

"امی، میں تمکین کے پاس جا رہی ہوں۔"

"اللہ خیر کرے۔ خیریت تو ہے؟" اب تو ذرا ذرا سی بات پر امی کا دل ہول جاتا تھا۔

"بالکل خیریت ہے۔ بلکہ اب تو سمجھیں خیریت شروع ہوئی ہے۔" وہ ہنسی۔

"تم جاؤ گی کیسے؟"

"زین بھائی کی کار پر ڈرائیور لے کر۔ اچھا ہے وہ کچھ دیر اپنے کمرے میں آرام کریں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تمکین کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ "سمجھو کہ ہمارا مسئلہ ہی حل ہو گیا۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" تمکین نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں جناب۔" ندا مسکرائی۔

"انہونی باتیں مت کیا کرو۔ میں نے امی سے کہہ دیا ہے کہ وہ سب کو بتا دیں، دس دن بعد ہمارے گھر میں کوئی فنکشن نہیں ہے۔"

"اتنی جلدی ہمت ہار دی تم نے؟"

"ڈنڈے یا بندوق کے زور پر تو نہیں لا سکتی ناں زین کو۔ جس حد تک ممکن تھا میں نے کر لیا۔ اس سے زیادہ میرے بس میں کچھ تھا ہی نہیں۔"

"تمہارے بس میں بہت کچھ تھا تمکین لیکن تم نے آخر وقت تک شرافت سے کام لیا۔ اور کچھ نہیں تو تم سمیعہ آپا سے کہہ کر میری بات ختم کرا سکتی تھیں لیکن یہ تمہاری شرافت تھی کہ تم نے ایسا نہیں کیا۔"

"اس میں شرافت کی کیا بات ہے۔ کیا مل جاتا مجھے تمہارا گھر برباد کر کے۔ میرا دامن تو خالی ہے ہی میں تمہارا دامن کیوں خالی کروں۔"

"جو کچھ تم نہیں کر سکیں تمکین، وہ میں نے کر ڈالا۔"

"کیا؟" وہ تقریباً چیخ پڑی۔ "تم نے سمیعہ آپا کو بتا دیا؟"

"میں نے ظفر بھائی کو بتادیا۔"

"اوہ مائی گاڈ۔کس نے کہا تھا تم سے یہ سب کرنے کو۔"

"کیا انہیں خبر نہ ہوتی چھپ سکتی تھی یہ بات؟"

"چھپ سکتی تھی۔ بڑی بڑی باتیں چھپ جاتی ہیں۔ہم کوئی بہانہ بنا سکتے تھے۔تم نے بہت غلطی کی جو یہ حرکت کی۔ فائدہ اس کا کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں نقصان سب کو اٹھانا پڑے گا۔"

"اب کرو مجھے Pat Pat ندا نے ہنستے ہوئے کندھا آگے کیا۔

تمکین حیرت سے اسے تکنے لگی۔"پلیز ندا میں تمہاری کوئی بات،کوئی حرکت سمجھ نہیں پا رہی۔"

"تمکین بی بی بات اتنی سی ہے کہ میں نے ظفر بھائی کو الف سے لے کر یے تک ساری بات بتانے کے بعد ایک پلان پیش کیا تھا۔"ندا بولی۔"میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ پہلے زین بھائی کو سمجھائیں اور اگر وہ نہ سمجھیں تو ان سے کہیں کہ وہ میرا اور اظہر کا رشتہ توڑ رہے ہیں۔"

"یہ کہا تم نے؟"تمکین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔اور یہ بھی کہا کہ وہ زین بھائی کو بتادیں کہ تمہاری شادی طے شدہ دن ہی ہو گی،اگر زین بھائی کو تمہارا دلہا بننا پسند نہیں ہے تو یہ خدمت اظہر سرانجام دے گا۔"

"پاگل تو نہیں ہوگئی تم؟"

"پاگل تو تم ہو،یہ محض ایک پلان تھا۔کون سا سچ مچ میں اظہر کو تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔" وہ ہنسی۔"اور میں نے حفاظتی اقدامات کے طور پر ان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ سمیعہ آپا کو اس بات کی ذرا سی بھی خبر نہ ہو۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ آج ظفر بھائی نے فون کیا زین بھائی کو اور چونکہ میں صرف ایک جانب

کی گفتگو سن سکتی تھی،اس لیے میرا اندازہ ہے کہ ظفر بھائی نے وہی کچھ کیا ہے جو میرے اس زرخیز دماغ نے سوچا تھا۔"ندا نے اپنے سر کی جانب اشارہ کیا۔"بھائی صاحب کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔"اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔"اب تو داد دو کہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"تم نے بہت غلط کیا ہے ندا۔"تمکین نے اپنے ہونٹ کاٹے۔"وہ یہی سمجھیں گے کہ ظفر بھائی نے ایسا میرے کہنے پر کیا ہے۔"

"تم ہو کس شمار قطار میں۔ یہ بڑوں کے معاملے ہیں۔جنہیں بڑے حل کر رہے ہیں۔تم بے فکر رہو،یوں بھی اس وقت زین بھائی کی عقل کے گھوڑے کہیں اور دوڑ رہے ہوں گے۔تمہارا تو انہیں خیال بھی نہیں آئے گا۔پھر یہ بھی تو سوچو کہ آج کل میں ظفر بھائی کو معلوم ہو ہی جانا تھا جس کا منطقی انجام بالآخر یہی ہونا تھا۔"

تمکین چپ چاپ بیٹھی قالین کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتی رہی۔

"اور اب میں نے اس تابوت میں آخری کیل ٹھونکنی ہے۔"ندا بولی۔"میں ہر وہ راستہ بند کر دینا چاہتی ہوں جو زین بھائی کو تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف لے کر جائے۔"

"کیا کروگی اب تم؟"تمکین نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

"اسے چھوڑو تم اٹھو میرے ساتھ آؤ۔"ندا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لیکن کہاں؟"

"مجھ پر بھروسا ہے تو بغیر سوال جواب کے میرے ساتھ آجاؤ۔"

☆======☆======☆

"نگار تم اس قدر خود غرضی سے کام لوگی،یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔"زمرد بائی کہہ رہی تھیں،سبھی لوگ بیٹھک میں موجود تھے،نگار کی اس حرکت نے سبھی کو صدمہ پہنچایا تھا۔صرف کاجل ہی تھی جو اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"یہ تو سوچو کہ ان بہنوں نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا۔تمہارے منہ سے فرمائش

نکالنے سے پہلے چیز تمہارے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اور تم انہیں کیا دے رہی ہو۔ مفلسی کا عذاب، تنگدستی کا جہنم۔''

''اماں بھول جائیں کہ ہم نے اسے کبھی کچھ دیا ہے، جو کچھ دیا اسے ملا وہ اس کا حق تھا۔'' کاجل بولی۔

''تو کیا تم لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے اس پر؟ میری تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا کہ میری چار بیٹیاں ہیں۔ مانا کہ جو تمہارا فرض تھا وہ تم نے پورا کیا لیکن یہ اپنا فرض چھوڑ کر کیوں بھاگنا چاہتی ہے۔ کیا رکھا ہے اس زندگی میں؟ کچھ نہیں ملے گا تمہیں وہاں جا کر، سوائے اس طعنے کے کہ طوائف زادی ہے یہ۔ اس وقت یا تو تمہیں واپس یہیں آنا ہوگا، یا پھر سینی ٹوریم میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گی۔''

''اماں آپ اسے مت روکیں، وہ اچھا لڑکا ہے۔ اسے سنبھال لے گا۔'' کاجل بولی۔ ''پلیز اماں۔ آپ نے میری کبھی کوئی بات نہیں ٹالی۔''

''اسے جانے بھی دوں میں اس لڑکے کے ساتھ، ٹھیک ہے چلی جائے، تم لوگوں کا کیا ہوگا؟''

''اللہ مالک ہے، وہ تو پتھر کے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے، ہمارے لیے بھی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔'' پھر وہ نگار سے مخاطب ہوئی۔ ''تم جاؤ اپنے کمرے میں جیسا تم چاہو گی، ویسا ہی ہوگا۔''

نگار اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور جو میں نے چوہدری سلطان بخش سے وعدہ کیا ہے، اس کا کیا ہوگا؟''

نگار رک کر پُر امید نظروں سے کاجل کو دیکھنے لگی۔

''وعدے توڑنے کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ اسے انکار کر دیں۔ آپ نہیں کریں گی تو میں کر دوں گی۔''

''یہ تمہاری شہہ پر بے باک ہو رہی ہے۔'' زمرد بائی نے کاجل پر اپنا غصہ نکالنا چاہا۔

''اماں! ہم اسے کسی کام سے منع تو کر سکتے ہیں لیکن زبردستی کوئی کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے، پھر منع کرنے کا بھی کیا فائدہ۔'' نگار کمرے سے نکلنے لگی۔

''سنو نگار!'' پائل نے اسے آواز دی۔ ''ہنسل اور گریٹل نے تو راستے کی نشانی کے طور پر روٹی کے ٹکڑے ڈالے تھے، تم جاتے ہوئے راستے میں گھنگھرو بکھیرتی جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں واپس آنا پڑے، اور تم واپسی کا راستہ بھول جاؤ۔''

اپنے کمرے میں آ کر نگار مسہری پر لیٹ گئی، اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی، لیکن بہت سی آوازیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ مونا اور نازش کی ستائش تھی۔

''آپ یقیناً مینکا ہوں گی، اور نہیں ہیں تو آپ کو مینکا ہونا چاہیے۔ آپ تو اپنے نرت سے کسی بھی مہارشی کی ساری عمر کی تپسیا بھنگ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔''

سعد کا والہانہ پن تھا۔ ''بعض اوقات انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ کوئی جادو، کوئی سحر خود بخود اسے کسی رستے پر لے جاتا ہے۔''

''سوگندھی خوش تھی، جسے اصل سونا پہننے کو نہ ملے وہ ملمع کیے ہوئے گہنوں ہی پر راضی ہو جاتا ہے۔'' یہ مونا کی آواز تھی۔

پھر ہر طرف گھنگھروؤں کی آواز پھیل گئی۔ موتیے کی خوشبو سے مہکی ہوئی گھنگھروؤں اور طبلے کی آواز۔

''اماں پر بھی تو بھوت سوار ہے، اسے ہواؤں میں اُڑانے کا، یہ نہیں دیکھتیں کہ اتنی اُڑان یہ لے بھی سکتی ہے یا نہیں۔'' پائل کی آواز کے ساتھ ہی طبلے اور گھنگھروؤں کی آواز تیز ہو گئی۔

انہی آوازوں کے پس منظر میں نجو کی سسکیاں ابھریں اور اس کا مختصر سا کمرہ ان سسکیوں کی آواز سے بھر گیا۔

''ہونہہ، پیسوں کے لیے بکنے والی عورت۔'' یہ اس اکبری منڈی کے بیوپاری کی آواز تھی، جسے نگار نے دیکھا بھی نہیں تھا۔

''یہ قلعہ تو کوئی بھی فتح کر سکتا ہے، محض چند ٹکوں کے عوض۔ بتاؤ کتنے سکوں کے عوض تم میرے پہلو میں آسکتی ہو۔''

گھنگھروؤں کی آوازیں تھم گئیں، لیکن یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہر دیوار، ہر اینٹ سسک رہی ہو۔ نگار نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ سب کچھ اپنی جگہ ساکت تھا۔ دیواریں، مسہری، میز، کرسی، ہر چیز اپنی جگہ تھی، بالکل بے جان۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں دوبارہ موند لیں۔ ایک بار پھر آوازیں اس کا تعاقب کرنے لگیں۔

''میں رحمت کا فرشتہ تو نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی ہے۔''

''تم تو زین! رحمت کے فرشتے سے بھی کہیں بڑھ کر ہو میرے لیے۔'' نگار نے سوچا۔ ''دیوتا بنائے جانے کے قابل۔ میں تمہارے لیے سب کچھ قربان کر سکتی ہوں تمہارے لیے، کتنے مختلف ہو تم عام لوگوں سے۔''

''چھوڑ دو، چھوڑ دو۔'' دیواریں چلانے لگیں۔ ''سب کچھ چھوڑ دو۔ سب خونی، سب جذباتی رشتے، لیکن جو لیبل تم چھوڑنا چاہتی ہو، وہ یہاں سے تمہارے ساتھ ہی جائے گا۔''

''نہیں نہیں۔'' وہ چلائی۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہوگا۔''

''کچھ نہیں ملے گا تمہیں وہاں جا کر، سوائے اس طعنے کے کہ طوائف زادی ہے یہ۔ اس وقت تمہیں یا تو یہیں واپس آنا ہوگا۔ یا پھر سینی ٹوریم میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گی۔'' زمرد بائی کی آواز آئی۔

''میں رحمت کا فرشتہ تو نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی ہے۔'' زین کی آواز پھر ابھری۔

''ہنسل اور گریٹل نے تو راستے کی نشانی کے طور پر روٹی کے ٹکڑے ڈالے تھے، تم

جاتے ہوئے راستے میں گھنگھرو بکھیرتی جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں واپس آنا پڑے اور تم واپسی کا راستہ بھول جاؤ۔'' پائل کہہ رہی تھی۔

نگار اٹھ بیٹھی۔ اس نے وحشت زدہ سی نگاہوں سے ایک مرتبہ پھر کمرے کا جائزہ لیا، لیکن کوئی دیوار سانس نہیں لے رہی تھی، میز کرسی ساکت تھیں، سنگھار میز کا آئینہ شفاف تھا۔ وہ مسہری سے اتر آئی۔ سنگھار میز کی دراز میں گھنگھروؤں کی جوڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس نے گھنگھرو ہاتھ میں اٹھا لیے اور کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھی، سب سے نچلے خانے میں اخباروں کے بنڈل کے پیچھے اس نے گھنگھرو پھینک دیے اور زوردار آواز کے ساتھ الماری کے پٹ بند کر دیے۔

اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ سر درد کی گولیاں نکال کر اس نے پانی کا گلاس اٹھایا ہی تھا، کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے؟'' اس نے انگلیوں سے کنپٹیاں دبائیں۔

''کوئی ملنے آیا ہے تم سے۔'' یہ زرقا کی آواز تھی۔

''آ جاؤ، دروازہ کھلا ہے۔''

دروازہ کھلا اور بڑی بڑی چادروں میں لپٹی دو لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔ نگار نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''آپ پہچان بھی نہیں سکتیں۔ میں ندا ہوں۔'' ان میں سے ایک بولی۔ ''اور یہ تمکین۔'' پھر نگار کے چہرے پر اجنبیت کا تاثر دیکھ کر کہنے لگی۔ ''میں زین کی بہن ہوں۔''

''آپ بہن ہیں زین کی۔'' وہ ایک دم کھل اٹھی۔ گلاس اور سر درد کی گولیاں میز پر رکھ کر اس نے جلدی سے کرسی ندا کے سامنے کی۔

''پلیز آپ بیٹھیں یہاں اور آپ یہاں آ جائیں۔'' اس نے تمکین کو مسہری پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بہت شکریہ، ہم بیٹھنے نہیں آئے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ یہاں آئی ہیں، اور یونہی کھڑے کھڑے چلی جائیں۔''

''میں نے کہانا ں کہ ہم بیٹھنے نہیں آئے۔'' ندا بولی۔

''پھر؟'' نگار اس کے سرد لہجے کو محسوس کر کے ایک دم بجھ گئی۔

''ہم تو یہ دیکھنے آئے ہیں کہ حسن اپنے اندر کس قدر کشش رکھتا ہے؟''

''میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں اس کے اندیشے ہویدا تھے۔

''اس لیے کہ تم سمجھنا نہیں چاہتیں۔ واقعی تم بے حد حسین ہو۔ تمکین تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں لیکن محض حسین ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔''

نگار نے پہلے خالی خالی نظروں سے ندا کو دیکھا، پھر اس کی نگاہیں تمکین پر جم گئیں، جو چپ چاپ کھڑی نگار کو دیکھ رہی تھی۔

''بہت ناز ہوگا تمہیں اپنے حسن پر۔ کچھ غلط بھی نہیں۔ جس نے میرے بھائی سے اس کی منگیتر کو چھین لیا اور خود اس کی جگہ براجمان ہوگئی۔ وہ کوئی عام سی لڑکی ہو بھی نہیں سکتی۔'' ندا کے لہجے میں کاٹ تھی۔

''اس حسن نے کبھی کوئی فائدہ نہیں دیا مجھے۔ ہمیشہ میں نے اس کے ہاتھوں نقصان ہی اٹھایا ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''میں کیا ناز کروں گی اس پر۔''

''یہ بھی خوب رہی۔'' ندا استہزائیہ انداز سے ہنسی۔ پھر اسی کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''یہ دیکھ رہی ہو انگوٹھی؟ یہ میرے بھائی نے اپنے ہاتھوں سے سو گواہوں کی موجودگی میں تمکین کو پہنائی تھی۔ وعدہ کیا تھا اسے اپنانے کا، اس لیے نہیں پہنائی تھی کہ شادی سے صرف بیس روز قبل یہ رشتہ توڑ کر تم جیسی کسی طوائف کو گھر لے آئیں گے۔ میں ان پر بھی یہ بات واضح کر چکی ہوں، اور تم بھی سن لو کہ ہمارے گھر میں کسی طوائف کی جگہ نہیں ہے۔''

''چپ کر جائیں آپ۔'' نگار چیخ پڑی۔ ''بار بار یہ لفظ بول کر آپ میری بے عزتی کر رہی ہیں۔''

''تمہیں پتا ہے، عزت کیا ہوتی ہے؟'' ندا کے لہجے میں طنز تھا۔ ''بی بی نگار! یہ یونہی مال روڈ اور لبرٹی کی دکانوں پر نہیں ملتی، یہ کمائی پڑتی ہے صدیوں میں۔ یہ خاندانوں سے وابستہ ہوتی ہے ایک دن میں نہیں مل جاتی۔''

''آپ کو بھی بہت غلط فہمی ہے ندا۔ اس شہر میں کون کس قدر عزت دار ہے، یہ ہم سے زیادہ کون جانتا ہے۔'' نگار کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ ''ان میں سے کسی نے عزت مال روڈ یا لبرٹی کی دکانوں سے نہیں خریدی، صدیوں میں کمائی ہے، لیکن شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ یہ سب لوگ اتنی ہی صدیوں سے اپنی عزت ان چوباروں میں آ کر لٹا رہے ہیں۔ شہر کے کسی رئیس کا نام لیں، میں آپ کو بتاتی ہوں، یہ سب کتنے صاحب ذوق ہیں، کس کا بیٹا کیا کر رہا ہے، کس کی بیٹی کے کتنے بوائے فرینڈ ہیں لیکن یہ سب اس لیے عزت دار ہیں کہ یہ اس محلے میں نہیں بستے۔ اس لیے کہ ان سب کے نام کے ساتھ ان کے باپ کا نام عزت کے سرٹیفکیٹ کے طور پر منسلک ہے اور ہم اس لیے بے عزت ہیں کہ ہم بغیر کسی منافقت کے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو یہ عزت دار لوگ چھپ کر کرتے ہیں۔

ہماری ہتک اس لیے کی جاتی ہے کہ ہمارے نام صرف ہمارے ہیں۔ کاجل، پائل، زرقا اور نگار، ہم خود اس دنیا میں نہیں آئے تھے، لائے گئے تھے، میں اس لیے صرف نگار ہوں کہ کوئی شخص صدیوں سے کمائی ہوئی اپنی عزت میں سے مجھے کچھ نہیں دے سکا۔ مجھے نہ محبت ملی، نہ عزت اور نہ وہ نام جس کی میں حق دار تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، اپنی بے عزتی کا لیبل یہیں چھوڑ گیا لیکن میں بے عزت نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ بے عزتی میں اپنے ساتھ نہیں لائی تھی، یہ یہیں اس دنیا سے مجھ سے نتھی کی گئی ہے اور میں طوائف بھی نہیں ہوں۔ اس کمرے میں صرف ایک مرد آیا ہے اور وہ زین ہے۔'' نگار رکی پھر بولی۔ ''اور وہ بھی کسی طوائف کے پاس نہیں آیا تھا۔ انسانیت کے نام پر ایک انسان کے پاس آیا تھا۔''

''تمہیں تمہارا حق نہیں مل سکا، مجھے افسوس ہے۔'' ندا بولی۔ ''اپنی ماں سے پوچھو کہ تمہیں یہ حق کس کے پاس سے ملے گا۔ کون تھا وہ جو تمہاری اس بے عزتی کا باعث بنا،

لیکن تمہارے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ تم حق وصول نہیں کر رہیں۔ تم نے تو بھیک کے لیے کشکول آگے کر دیا ہے، عزت اور بے عزتی کے نام پر بھیک طلب کر رہی ہو اور اسی بھیک کو تم نے اپنا حق سمجھ لیا ہے۔''

''میں کسی سے بھیک نہیں مانگ رہی۔'' وہ چلائی۔ ''زین مجھ سے محبت کرتا ہے، مجھے چاہتا ہے، اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، مجھے سب سے بچانے کا وعدہ، حالات سے انسانوں سے اور زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کا وعدہ۔''

''بہت بیوقوف ہو تم۔'' ندا ہولے سے ہنسی۔ ''پناہ تو چڑیا گھر کے جانوروں کو بھی میسر ہے، حالات سے انسانوں سے اور زمانے کے سرد و گرم سے لیکن ان سے محبت کون کرتا ہے؟ ان سے محبت نہیں کی جاتی، بس ان کی حفاظت کی جاتی ہے، یہی حفاظت میوزیم میں رکھے قدیم زمانوں کے آثار کی کی جاتی ہے۔ تم نے غلطی سے اس پناہ اور حفاظت کو محبت سمجھ لیا ہے۔ کیا کبھی زین بھائی نے تم سے محبت کا اظہار کیا ہے؟ نہیں کیا ہوگا۔ اس لیے کہ انہوں نے صرف اور صرف تمکین سے محبت کی ہے، ان کی بے تابیاں، ان کی چاہت، ان کی خواہش سب کچھ تمکین کے لیے تھا اور ہے، اب وہ انسانیت کے نام پر مجبو رہیں۔ تمہیں پناہ دینے کے لیے، تمہاری حفاظت کے لیے۔ محض چند سکے ڈال رہے ہیں تمہارے کشکول میں۔''

''بتاؤ کتنے سکوں کے عوض تم میرے پہلو میں آ سکتی ہو۔'' نگار کے کانوں میں سعد کی آواز گونجی۔

''مجھے سکے نہیں چاہئیں۔ نہ چاندی کے اور نہ انسانیت کے۔'' وہ چیخ پڑی۔ ''عزت کے نام پر بھی نہیں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

''تمہیں تو معلوم نہیں کیا درکار ہے اور کون تمہاری مراد پوری کرے گا۔ میں تو صرف تم سے اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ تمہاری خواہشیں اور تمہاری حسرتیں اپنی جگہ۔ زندگی اور معاشرے سے تمہیں جو شکوے ہیں، ان کے سلسلے میں بھی ہم کوئی الزام اپنے سر نہیں لے

سکتے، کیونکہ ہم معاشرے کی ایک اکائی ہیں پورا معاشرہ نہیں۔ تم اپنی زندگی جیسے گزارنا چاہتی ہو گزارو۔ چاہے اپنی ماں اور بہنوں کے نقش قدم پر چلو، یا اپنے حق کی تلاش میں نکل کھڑی ہو۔ ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ مجھے واسطہ ہے اپنے بھائی سے، ان کا رشتہ سب سے ٹوٹ سکتا ہے لیکن اپنی ماں اور بہنوں سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ ہمارے ہاں سب ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ جس لڑکی کا بھی رشتہ استوار ہوا، وہ علیحدہ نہیں رہے گی، اس کا رشتہ ہم سے بھی قائم ہوگا اور میں یہ رشتہ تم سے قائم نہیں کر سکتی۔ تم اپنے لیے کوئی ایسا خانہ تلاش کرو۔ جو صرف تمہارے لیے ہو۔ کسی کو دھکا دے کر تم کبھی اس کے خانے میں فٹ نہیں ہو سکو گی۔''

''پلیز، چپ کر جائیں۔'' اس نے ہونٹ کاٹ کر آنسو روکنے کی کوشش کی۔ ''چلی جائیں آپ یہاں سے۔''

''نگار! مجھے آپ سے ہمدردی ہے لیکن میں آپ کا مقدر تبدیل نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کے لیے مجھے اپنے گھر اور اپنی محبت کی قربانی دینا پڑے گی اور میں اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکوں گی۔'' تمکین بولی۔ ''پلیز مجھے معاف کر دینا۔''

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ اور مجھ سے پہلے زین کی زندگی میں داخل ہو چکی ہیں، آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ میں اپنے گھر کی بنیادیں آپ کے خوابوں کی راکھ پر نہیں بناؤں گی۔'' ضبط کی وجہ سے نگار کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

ان دونوں کے جانے کے بعد وہ مسہری پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

کدھر جا رہی ہے، کہاں جا رہی ہے؟
حیات اندھے ماضی کی انگلی پکڑ کر
کدھر لے چلی ہے، کہاں لے چلی ہے؟
غمِ دل کی زنجیر مجھ کو جکڑ کر!

کسی انجمن میں بھی جانا عبث ہے
کوئی سی بھی محفل سجانا عبث ہے
یہ ڈھلتی ہوئی شب
یہ خوابوں میں کھویا ہوا آخری پہر کس کا ہوا ہے؟
یہ بے رحم گلیاں، یہ بے مہر سڑکیں
یہ سویا ہوا شہر، کس کا ہوا ہے؟

صدا دے کے اس کو جگانا عبث ہے
کسی گھر، کسی در پہ جانا عبث ہے

یہ گہری اداسی ہے مدت سے پیاسی
مرے ذہن و دل کی، میرے جسم و جاں کی

اسے آنسوؤں سے بجھانا عبث ہے
ستارے زمیں پر لٹانا عبث ہے
کہیں کچھ ملے، کوئی دیوار ٹوٹے
کوئی روشنی غم کے اس پار پھوٹے
تو شاید یہ دل قید ظلمت سے چھوٹے

وگرنہ یہ سیرِ شبانہ عبث ہے!
یہ ہر گام یوں ڈگمگانا عبث ہے

نگار نے آنکھیں موند لیں۔ ''دلِ وحشی کا ماتم کب تک؟ ساعتِ گریز پا کی آرزو کب تک؟ لا حاصل کی تلاش کب تک؟ وہ عورت نہیں ہے کیونکہ عورت تو پاکیزگی اور تقدس کا دوسرا نام ہے۔ ہاں وہ عورت نہیں ہے۔ وہ تو صرف طوائف ہے طوائف۔ کتنا

زہریلا لفظ ہے طوائف۔ وجود کو اندر تک کاٹ دینے والا، ریزہ ریزہ کر دینے والا۔ عورت خواہ مخواہ ہی اعتبار کی حد پھلانگ کر بے اعتباری میں جا داخل ہوتی ہے۔ پھر وہ چاہے کچھ کرے سب سے بے نیاز ہو کر محبت اور وفا کی راہوں پر جتنا آگے بڑھ جائے، یہ ایک لیبل اسے واپس اس کوٹھے پر دھکیل دیتا ہے، جہاں سے پیچھا چھڑا کر وہ آتی ہے۔''

وہ اٹھ کر کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ رات اپنے عروج پر تھی۔ گلی کے ہر کوٹھے پر رونق تھی، طبلے اور پازیبوں کی مدھر آوازیں خنک رات کے اندھیرے میں کہیں تحلیل ہو رہی تھیں۔ موتیے کی خوشبو فضا میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، کسی نے دروازے پہ دستک دی۔ نگار نے مڑ کر دروازے کو دیکھا جو آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ زمرد بائی نے اندر آ کر ایک نظر کمرے کا جائزہ لیا، جیسے کمرے کی بوجھل فضا سے نگار کی سوچوں کا اندازہ لگانا چاہتی ہوں۔

''کھڑکی بند کرو۔ اتنی ٹھنڈی ہوا میں کاہے کو کھڑی ہو۔'' پھر انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی۔ ''رات بہت بیت گئی ہے۔ چلو جلدی سے سو جاؤ۔ انہوں نے زبردستی نگار کو مسہری پر دھکیلا۔

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔ ''اماں یہاں کی زندگی، اور روزی، روٹی اس رات سے تو وابستہ ہے۔ جتنی یہ بھیگے گی اتنا ہی جادو بڑھے گا۔ یہاں تو سونے کے لیے دن ہوتا ہے۔''

''کل چوہدری سلطان بخش نے آنے کا کہا ہے۔ انہیں کیا جواب دوں۔'' زمرد بائی نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

''جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور کمبل منہ پر رکھ لیا۔

☆======☆======☆

موتیے کی مہک سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی ماند پڑ گئی تھی۔ طبلے اور سارنگی کی سُر فضا میں تحلیل ہو چکے تھے اور گھنگھرو تھک کر خاموش ہو گئے تھے۔ نگار نے اٹھ کر کھڑکی کھولی، گلیاں اور چوبارے گہری دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔ سورج دھند کی اس چادر کو کترنے کی

کوشش کر رہا تھا، ہر طرف سناٹے کا راج تھا، وہ کھڑکی بند کر کے مسہری پر بیٹھ گئی۔

''سو، کتاب عمر کا ایک اور باب ختم ہوا، لیکن وہ جو عذاب ہے، درحقیقت اب شروع ہوا ہے۔'' اس نے سوچا۔ ''کتنا بے بس ہوتا ہے انسان۔ تدبیر بھی تقدیر سے لڑلڑ کے بالآخر تھک جاتی ہے۔ وہ ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے کہ

مقدروں کی سیہ عبارت کے لفظ قاہر ہیں اور ہم سب

کسی کی لکھی ہوئی کہانی میں اپنے کردار ڈھونڈتے ہیں

اور میری زندگی کی کہانی گھنگھروؤں کی چھم چھم سے شروع ہو کر اسی جھنکار پر ختم ہونا ٹھہری ہے۔ عزت اور بے عزتی سب کے معیار ہر ایک کے لیے جدا ہیں۔''

وہ کمبل اوڑھ کے لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ نیند کی مہربان دیوی کی آغوش میں چلی گئی۔

''ٹھک ٹھک ٹھک۔'' کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون ہے؟'' اس نے خمار آلود آواز سے پوچھا۔

''زین آیا ہے۔'' کاجل کی آواز آئی۔

نگار کی آنکھیں ایک دم کھل گئیں، لیکن دوسرے ہی لمحے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

''بہت بیوقوف ہو تم۔'' اس کے کانوں میں ندا کی آواز آئی۔ ''پناہ تو چڑیا گھر کے جانوروں کو بھی میسر ہے، حالات سے، انسانوں سے اور زمانے کے سرد و گرم سے، لیکن ان سے محبت کون کرتا ہے؟ ان سے محبت نہیں کی جاتی، بس ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہی حفاظت میوزیم میں رکھے قدیم زمانوں کے آثار کی، کی جاتی ہے، تم نے غلطی سے اس پناہ اور حفاظت کو محبت سمجھ لیا ہے۔ کیا کبھی زین بھائی نے تم سے محبت کا اظہار کیا ہے؟ نہیں کیا ہوگا۔ اس لیے کہ انہوں نے صرف اور صرف تمکین سے محبت کی ہے۔ ان کی بے تابیاں، ان کی چاہت، ان کی خواہش سب کچھ تمکین کے لیے تھی اور ہے۔ اب وہ انسانیت کے نام

پر مجبور ہیں، تمہیں پناہ دینے کے لیے، تمہاری حفاظت کے لیے۔ محض چند سکے ڈال رہے ہیں تمہارے کشکول میں۔''

اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

''بھیج دو۔'' اس نے خود کو ذہنی طور پر آنے والے لمحوں کے لیے تیار کیا۔

زین دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ وہ بھی بے خوابی کا شکار لگتا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، شیو بڑھی ہوئی تھی۔

''آیئے بیٹھیے۔'' نگار نے دل مضبوط کر کے کہا۔ وہ ابھی تک کمبل اوڑھے مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''ابھی تک سوئی ہوئی تھیں؟'' زین نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں رات کو دیر تک جاگنا پڑا۔'' وہ ہنسی۔

''نگار! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''حیرت ہے، بات تو مجھے بھی تم سے کرنی ہے۔''

''میری بات زیادہ ضروری ہے۔'' زین بولا۔

''اونہوں۔ میری بات زیادہ ضروری ہے۔'' وہ بولی۔ زین کی سنجیدگی اور بات کرنے کا انداز اسے بتا رہا تھا کہ وہ کیا بات کرنے والا ہے۔

''اگر زین نے اب انکار کیا تو اس کی بہت سبکی ہوگی۔'' نگار نے سوچا۔ ''نہیں زین میں تمہاری سبکی برداشت نہیں کر سکتی۔ تم تو میرے بڑھے ہوئے کشکول میں انسانیت کے نام کے سکے ڈال رہے تھے لیکن مجھے یہ سکے لینا گوارا نہیں۔ میں تمہیں تمہاری محبت لوٹا رہی ہوں، اس لیے نہیں کہ میں تمہیں تمہاری محبت کی بھیک دینا چاہتی ہوں، بلکہ اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہیں کسی کے سامنے جھوٹا ہوتے نہیں دیکھ سکتی خواہ وہ تمکین ہو یا میں۔ زین میں تمہارے ایک وعدے کی لاج رکھنے کے لیے اپنے آپ کو، اپنی ذات تک کو ختم کر سکتی ہوں۔''

''نگار! بات یہ ہے کہ ہمارا مسئلہ کچھ۔''

''اس وقت ہمارے مسئلے کو چھوڑو، میرے مسئلے کی بات کرو۔'' نگار نے اس کی بات کاٹی۔ ''مجھے ایک چانس ملا ہے ایک فلم کی آفر ہوئی ہے۔''

''فلم کی آفر ہوئی ہے؟'' زین کے لہجے میں تعجب تھا۔

''ہاں وہ چوہدری سلطان بخش ہیں ناں، وہی فلم ڈائریکٹر وہ ایک فلم کا سکرپٹ لائے تھے۔'' نگار نے کہا۔ ''کہہ رہے تھے کہ انہیں مجھ جیسی حسین اور کم عمر لڑکی چاہیے، اپنی فلم کے لیے۔''

''پھر؟''

''پھر یہ کہ سکرپٹ بہت اچھا تھا۔ رول بھی بہت پاورفل تھا میرے لیے، اس لیے میں نے ہامی بھر لی۔'' وہ مسکرائی۔ ''زندگی میں ایسا چانس کم ہی ملتا ہے، یک دم اتنی بڑی کامیابی کا میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میں نے سوچا شادی وادی تو ہوتی رہے گی۔ بہت عمر پڑی ہے، لیکن ایسا چانس پھر نہیں ملے گا۔ یہ ایک فلم ہٹ ہوگئی، جس کے ہٹ ہونے کے بہت چانسز ہیں تو کامیابی کے دروازے کھل جائیں گے۔ صرف پاکستان میں ہی ڈیمانڈ نہیں ہوگی، باہر بھی میری ڈیمانڈ ہوگی۔'' وہ پُر جوش لہجے میں کہہ رہی تھی۔

زین بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری زین! میں اس دن خواہ مخواہ ہی جذبات میں آ گئی تھی۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے خودمختار زندگی پسند ہے۔ میں شاید اتنے لمبے سفر میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں، خواہ مخواہ پاگل ہوگئی تھی میں۔ تم بھی میری وجہ سے پریشان رہے۔ آئی ایم سوری فار ویٹ۔''

''اچھا ہوا نگار! کہ میں بہت آگے نہیں بڑھ گیا۔ تمہاری خاطر بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا میں نے۔ اپنی عزت، نیک نامی، اپنی بہن کا مستقبل، اپنی اور تمکین کی خوشیاں، لیکن شکر ہے کہ ابھی بازی میرے ہاتھ ہی میں تھی۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ ''یہ بھی اچھا ہے کہ ابھی میں نے اپنی محبت، اپنی بے تابیاں تمہارے نام نہیں کی تھیں۔ مجھے امی کی اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ کچھ لوگ عزت کی زندگی گزارنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئے لیکن اب یقین آ گیا ہے۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ ''میں تمہاری فلم ضرور دیکھوں گا، خدا حافظ۔'' اور وہ اس کی جانب دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

نگار ایک ٹک دروازے کو دیکھتی رہی۔

''کچھ لوگ عزت کی زندگی گزارنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئے۔'' اس کے کانوں میں زین کے فقرے گونجے۔

''ہاں زین کچھ لوگ عزت کی زندگی گزارنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ میرے لیے بھی تو زندگی نے ایک سانچہ بنا رکھا ہے جس میں ڈھلنا میرا مقدر ہے، افسوس تو اس بات کا ہے کہ میں تقدیر کے اس فیصلے سے لڑ نہیں سکتی تھی تو پھر تدبیر سے اسے بدلنے کی کوشش کیوں کرتی رہی، کیوں لہولہان ہوئی مجھے شعور کیوں عطا ہوا؟ کیوں میرے لیے۔

آگہی جہل سے بدتر ٹھہری۔
جاگتے خواب کی تعبیر مقدر ٹھہری۔
زندگی میرے لیے گنبد بے در ٹھہری۔

''تم نے کہا زین کہ اچھا ہوا تم بہت آگے نہیں بڑھ گئے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ میرے لیے اچھا ہوا کہ میں بہت آگے نہیں بڑھ گئی۔ ابھی میرے پاس واپسی کے لیے نشانی تھی۔ بعد میں شاید مجھے واپسی کا راستہ ہی بھول جاتا۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ الماری کے نچلے خانے میں اخبار کے بنڈلوں کے پیچھے سے اس نے گھنگھروؤں کی جوڑی نکالی اور ایک بار پھر گھنگھرو چھما چھم بجنے لگے۔

☆======ختم شد======☆